

سلیبس آؤٹ لائنز نظریہ اور آئین پاکستان

مضمون کوڈ:

باب 1: نظریہ پاکستان کا تعارف :-

- ☆ نظریے کی تعریف اور اہمیت
- ☆ پاکستان کے قیام کا تاریخی پس منظر (برصغیر کے سماجی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی پہلوؤں 1857ء سے 1947ء تک کا جائزہ)۔
- ☆ پاکستان کی آزادی کی تحریک میں بانیان پاکستان (جیسے علامہ محمد اقبال، محمد علی جناح وغیرہ) کی خدمات۔
- ☆ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی تحریک میں خواتین اور طلبہ کا کردار۔

باب 2: دو قومی نظریہ

- ☆ دو قومی نظریے کا ارتقاء
- ☆ اردو-ہندی تنازعہ ☆ بنگال کی تقسیم ☆ شملہ وفد 1906ء
- ☆ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد 1930ء ☆ کانگریس کی وزارتیں 1937
- ☆ قرارداد لاہور 1940ء

باب 3: آئین پاکستان کا تعارف :-

- ☆ آئین کی تعریف اور اہمیت۔
- ☆ پاکستان کے آئین کی تشکیل میں نظریاتی عوامل
- ☆ قرارداد مقاصد 1949ء
- ☆ آئین پاکستان 1956ء کی نمایاں خصوصیات

☆ آئین پاکستان 1956ء کی ناکامی کی وجوہات

☆ آئین پاکستان 1962ء کی نمایاں خصوصیات

☆ آئین پاکستان 1962ء کی ناکامی کی وجوہات

☆ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب

☆ آئین پاکستان 1973ء کی نمایاں خصوصیات

باب 4: آئین اور ریاستی ڈھانچہ:-

☆ حکومت کا ڈھانچہ (مقتضہ، انتظامیہ اور عدلیہ)

☆ مقتضہ: قومی اسمبلی، سینٹ

☆ انتظامیہ: صدر، وزیراعظم، وفاقی کابینہ، بیوروکریسی

☆ عدلیہ: سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، ماتحت عدالتیں

☆ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے اختیارات کی تقسیم

☆ 18 ویں ترمیم اور وفاقی نظام پر اس کے اثرات۔

باب 5: بنیادی حقوق، پالیسی کے اصول اور ذمہ داریاں

☆ 1973ء کے آئین میں پاکستان میں شہریوں کو دیئے گئے بنیادی حقوق کا جائزہ (آرٹیکل 28-B)

☆ 1973ء کے آئین کے تحت پالیسی کے اصول کا جائزہ (آرٹیکل 29-40)

☆ 1973ء کے آئین کے تحت پاکستانی شہریوں کی ذمہ داریاں (آرٹیکل 5)

باب 6: آئینی ترامیم-

☆ آئین میں ترمیم کا طریقہ کار۔

☆ 1973ء کے آئین میں ہونے والی اہم آئینی ترامیم اور ان کے اثرات



باب 1:-

نظریہ پاکستان کا تعارف

(Introduction to the Ideology of Pakistan)

i۔ نظریہ کا مفہوم، تعریف اور اہمیت

(Meaning, Definition and Significance of Ideology)

”نظریہ“ انگریزی زبان کے لفظ ”آئیڈیالوجی“ (Ideology) کا ترجمہ ہے۔ ”آئیڈیالوجی“ یونانی زبان کے دو الفاظ ”Idea“ (خیال یا تصور) اور ”Logos“ (مطالعہ یا منطق) سے اخذ کیا گیا ہے۔ آئیڈیالوجی کے لغوی معنی ہیں۔ ”وہ مسئلہ جس میں فکر و نظر سے کام لیا جائے اور مشترکہ اصول طے کیے جائیں۔“

نظریہ ایک ایسا مکمل نظام ہوتا ہے جس کے تحت افراد زندگی بسر کرتے ہیں اور طے شدہ مقاصد کے حصول کے لیے معاشرہ میں انفرادی و اجتماعی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے خاص طرز فکر، مذہبی و تہذیبی اقدار اور روایات کو مد نظر رکھ کر ایک خاص مقصد کو اپناتے ہیں اور پھر اس مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں۔ اس مقصد کو ”نظریہ“ کا نام دیا جاتا ہے۔

نظریہ کی تعریف (Definition of the Ideology)

مختلف مفکرین نے نظریہ کی جو تعریفیں کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ ڈاکٹر جارج براس (Dr. George Brass):

”عام زندگی کا کوئی ضابطہ یا کوئی پروگرام جس کی بنیاد فکر و فلسفہ پر استوار ہو، ”آئیڈیالوجی“ کہلاتا ہے۔“

2۔ کارل مارکس (Karl Marx):

”نظریہ، خیالات اور عقائد کا ایسا نظام ہے جو کسی طبقے یا گروہ کے مفادات کی نمائندگی کرتا ہے۔“

3۔ انتھونی گڈنز (Anthony Giddens):

”نظریہ خیالات اور اصولوں کا وہ نظام ہے جو انسانی معاشرتی زندگی اور تعلقات کو سمجھنے کے لیے بنیادی فراہم کرتا ہے۔ جو نہ صرف ماضی کے تجربات کی روشنی میں حال کی وضاحت کرتا ہے بلکہ مستقبل کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔“

4۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopaedia of Britannica):

”کسی خاص نظام فکر کے تحت سیاسی مسائل کا ایسا تجزیہ ہے جس میں عملی پروگرام بھی شامل ہوں یعنی اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ کا نقطہ نظر، خیال یا سوچ ”نظریہ“ کہلاتا ہے۔“

نظریہ کی اہمیت (Significance of the Ideology)

کسی بھی قوم کی تشکیل، ترقی اور استحکام میں نظریہ کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ نظریہ قوم کے عقائد، اقدا ر، روایات، طرزِ حیات اور اہداف کو واضح کرتا ہے اور ان کے لیے ایک واضح سمت کا تعین کرتا ہے جس پر چل کر وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ نظریہ کی اہمیت کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1۔ خیالات کا عکاس:

ہر فرد اپنے خاص خیالات کا مالک ہے۔ تمام افراد کے مشترکہ خیالات معاشرے کی مشترکہ سوچ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ نظریہ ان خیالات کا عکاس ہوتا ہے یوں یہ کسی بھی معاشرے میں رہن سہن، سوچ، طرزِ زندگی اور آپس کے تعلقات کے اصول وضع کرتا ہے۔

2۔ درست فیصلے کی صلاحیت:

قیادت کے انتخابات کے لیے نظریہ ایک خاص طرح کی بصیرت پیدا کرتا ہے جس سے درست فیصلے کرنے میں مدد ملتی ہے۔

3۔ حقوق فرائض کا تعین:

نظریہ، انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے اور اس کی روشنی میں ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں۔

4۔ محرومیوں کے خاتمے کا سبب:

نظریہ مشکل حالات اور سماجی دباؤ کے باعث جنم لیتا ہے اور معاشرے کے پسماندہ لوگوں میں محرومی کو ختم کرنے کا سبب بنتا ہے۔

5۔ حیاتِ ملت:

قوموں کا نصب العین نظریہ کامرہون منت ہوتا ہے اور اقوام اسی وجہ سے زندہ نظر آتی ہیں۔

6۔ قومی شناخت کی تشکیل:

نظریہ کسی قوم کی مخصوص شناخت اور تشخص کو واضح کرتا ہے، جو اسے دوسری اقوام سے ممتاز بناتا ہے۔ یہ قوم کے اجتماعی وجود کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

7۔ اتحاد اور یکجہتی کا ذریعہ:

نظریہ قوم کے افراد کو مشترکہ مقاصد اور خیالات پر متحد کرتا ہے، جس سے قومی یکجہتی اور بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔

8۔ قومی مقاصد کی وضاحت:

نظریہ قوم کے بنیادی اہداف اور منزل کا تعین کرتا ہے، جو قوم کے تمام افراد کو ایک سمت میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

9۔ قیادت کے لیے رہنمائی:

ایک مضبوط نظریہ قوم کی قیادت کو اصولوں اور مقاصد کے مطابق فیصلے کرنے میں مدد دیتا ہے، جو اجتماعی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

10۔ ثقافتی ورثے کا تحفظ:

نظریہ قوم کی روایات، زبان، اور ثقافتی اقدار کو محفوظ رکھتا ہے اور انہیں آنے والی نسلوں تک منتقل کرتا ہے۔

11۔ تعلیمی نظام کی بنیاد:

نظریہ تعلیم کے مقاصد اور نصاب کا تعین کرتا ہے، جس کے ذریعے قوم کی فکری اور علمی ترقی ممکن ہوتی ہے۔

12۔ معاشرتی ہم آہنگی کا فروغ:

نظریہ مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور اختلافات کو کم کر کے معاشرتی استحکام کو یقینی بناتا ہے۔

13۔ معاشی ترقی میں رہنمائی:

نظریہ قوم کو معاشی ترقی کے لیے اصول و ضوابط فراہم کرتا ہے، جس سے وسائل کا بہتر استعمال اور ترقی ممکن ہوتی ہے۔

14۔ سیاسی استحکام کا ذریعہ:

ایک مضبوط نظریہ سیاسی نظام کو مستحکم کرتا ہے اور قیادت کو عوام کی امنگوں کے مطابق فیصلے کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

15۔ خارجہ پالیسی کی تشکیل:

نظریہ قوم کے عالمی تعلقات کی سمت متعین کرتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر اس کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔

16۔ بحرانوں میں رہنمائی:

مشکل حالات میں نظریہ قوم کو راہ دکھاتا ہے اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے اصول اور حکمت عملی فراہم کرتا ہے

نظریہ پاکستان (Ideology of Pakistan)

کسی بھی قوم کا نظریہ اس کی اجتماعی سوچ، جذبات اور مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے۔ جہاں تک نظریہ پاکستان کا تعلق ہے یہ کسی جغرافیائی سرحد یا سماجی ولسانی رشتے کی بنیاد پر نہیں بلکہ مکمل طور پر دین اسلام پر مبنی ہے۔ ذیل میں نظریہ پاکستان کا مفہوم، تعریف اور اس کی توضیح کے اہم نکات بیان کیے جا رہے ہیں۔

نظریہ پاکستان کا مفہوم (Meaning of Ideology of Pakistan)**لغوی مفہوم:**

لفظ ”نظریہ“ عربی زبان کے لفظ ”نظر“ سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب دیکھنا، غور و فکر کرنا یا کسی چیز کو سمجھنا ہے۔ اس کے تحت نظریہ پاکستان کے لغوی مفہوم سے مراد وہ فکر اور تصور ہے جو برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی دینی، تہذیبی اور سماجی شناخت کے تحفظ کے لیے ایک علیحدہ مسلم ریاست کے قیام

کے طور پر اپنے ذہنوں میں تشکیل دیا۔
اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحی طور پر نظریہ پاکستان سے مراد وہ فکری تصور ہے جو اس اصول پر مبنی ہے کہ برصغیر کے رجحان اور ہندو دوا لگ قومیں ہیں، جن کے مذہب، ثقافت، طرز زندگی اور سماجی اقدار ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس نظریے کے مطابق مسلمانوں کو اپنے مذہب، تہذیب اور معاشرتی اصولوں کے تحفظ کے لیے ایک علیحدہ ریاست کی ضرورت تھی جہاں وہ آزادانہ طور پر اپنی زندگی گزار سکیں۔

نظریہ پاکستان کی تعریف (Definition of Ideology of Pakistan)

مختلف مفکرین نے نظریہ پاکستان کی جو تعریفیں بیان کی ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

سید علی عباس:

”نظریہ پاکستان اور اسلام ہم معنی ہیں۔ نظریہ پاکستان تعلیمات اسلام کی عملی صورت کا نام ہے۔“

ڈاکٹر اسلم سید:

”نظریہ پاکستان سے مراد انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنا ہے اور ان نظریات سے بچنا ہے جو اسلام کے منافی ہیں۔“

علامہ علاؤ الدین صدیقی:

”نظریہ پاکستان سے مراد سرزمین پاکستان پر اسلامی نظام کا نفاذ ہے۔“

نظریہ پاکستان کی توضیح (Explanation of Ideology of Pakistan)

نظریہ پاکستان کی بنیاد نظریہ اسلام ہے جو قرآن و سنت پر مبنی دین حیات اور نظام زندگی ہے۔ یہ دین حق سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ اس وقت سے یہ دین حق دنیا میں جاری ہے۔ انسانی معاشرے میں جب کوئی بگاڑ پیدا ہوا تو اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جو اس دین حق کو تازہ کرتے رہے۔ اس سلسلہ ہدایت کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ ہیں جن پر قرآن مجید نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا۔ اس دین اور اس نظام کو ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں اور اس کو رد کر دینے والے کافر کہلاتے ہیں۔

دنیا کی دیگر اقوام کے تصور قومیت کے برعکس اسلام کا تصور قومیت آفاقی اور عالمگیر ہے۔ کوئی بھی فرد خواہ اس کا تعلق کسی بھی رنگ و نسل، زبان و علاقے سے ہو، اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اسلامی قومیت کا حامل بن جاتا ہے جبکہ مغربی تصور قومیت کی بنیاد رنگ و نسل، زبان، علاقے، قوم اور وطن پر ہے۔

اسلام کے جامع نظام حیات اور جداگانہ قومیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم ہو جہاں اس کے احکام نافذ العمل ہوں۔ اس تقاضے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، بنو امیہ، بنو عباسیہ اور عثمانی ترکوں نے اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع کیا۔ 712ء میں ایک عرب سپہ سالار محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے اسلامی

حکومت کی بنیاد رکھی اور مقامی باشندوں کو اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی تصور قومیت سے روشناس کرایا۔ محمد بن قاسم کی واپس روانگی کے کوئی تین سو سالوں بعد محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ غوریوں، خاندان غلاماں، خاندان تغلق، خاندان لودھی سے ہوتا ہوا خاندان مغلیہ تک پہنچا۔ 1857ء میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر کے مغلیہ خاندان کی حکومت ختم کر دی۔ اس طرح ہندوستان سے مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں نے اقتدار میں آنے کے بعد مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھائے۔ ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان نامساعد حالات میں سرسید احمد خان نے مسلمان قوم کو سنبھالا دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے ”دوقومی نظریہ“ کی اصطلاح استعمال کی اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں مسلمان قوم میں سیاسی شعور اور بیداری نے جنم لیا تو انہوں نے اپنی ایک الگ سیاسی تنظیم ”آل انڈیا مسلم لیگ“ قائم کی اور اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے حصول آزادی کی جدوجہد شروع کی۔ جس وقت مسلمانوں نے حصول آزادی کی جدوجہد شروع کی تو ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا کہ ہندوؤں اور انگریزوں سے نجات حاصل کر کے ایسا الگ وطن قائم کیا جائے جہاں وہ اپنی زندگیوں کو اسلامی اصولوں اور تعلیمات کے مطابق گزار سکیں اور اپنے مذہبی عقائد اور اقدار کا پرچار کر سکیں۔ یہی سوچ اور فکر ان کا مشترکہ نصب العین ٹھہری اور انہوں نے اپنے اس نصب العین کے حصول کے لیے تحریک آزادی کا آغاز کیا اور قائد اعظم کی مدبرانہ قیادت میں ہندوؤں اور انگریزوں جیسے مکار دشمنوں کو شکست دے کر پاکستان حاصل کیا۔ علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کا بنیادی محرک نظریہ پاکستان تھا جو اسلامی نظریہ حیات کے آفاقی اصولوں پر مبنی ہے۔

نظریہ پاکستان کی اہمیت (Significance of Ideology of Pakistan)

نظریہ پاکستان کو پاکستان کی قومی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت کے چند نمایاں پہلو درج ذیل ہیں۔

1۔ نظریاتی بنیاد:

پاکستان کی تخلیق نظریہ پاکستان کی بنیاد پر عمل میں آئی۔ یہ پاکستان کی بقاء، سالمیت اور تحفظ کا ضامن ہے۔ نظریہ پاکستان ہی ملک کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کر سکتا ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ نظریہ پاکستان سے انحراف کی بناء پر 1971ء میں پاکستان دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ نظریہ پاکستان کے اساسی اصولوں کو فروغ دیا جائے تاکہ ملک کی نظریاتی بنیادیں مضبوط و مستحکم ہو سکیں۔

2۔ اتحاد اور یکجہتی کا سبب:

نظریہ پاکستان کے سبب ہی برصغیر کے مسلمانوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے باہمی اختلافات کو پس پشت ڈال کر الگ اور آزاد وطن کے لیے لازوال قربانیاں دیں اور نتیجتاً قیام پاکستان کی مخالف قوتوں کو شکست سے دوچار کرتے ہوئے آزاد مسلم ریاست کے حصول میں سرخرو ہوئے۔

3۔ قومی وحدت کی بنیاد:

پاکستان میں مختلف نسلوں، زبانوں، رنگوں اور ثقافتوں کے حامل لوگ آباد ہیں۔ ان مختلف حیثیت کے حامل لوگوں کو جو چیز مضبوط بندھن میں باندھے ہوئے وہ دین اسلام ہے۔ چونکہ نظریہ پاکستان دراصل نظریہ اسلام ہے۔ اس لیے نظریہ پاکستان، پاکستانیوں کو ایک قوم اور ایک وحدت میں ڈھالے ہوئے ہے۔

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

(اقبال)

4۔ قوت ایمانی کا سرچشمہ:

نظریہ پاکستان کی بنیاد نظریہ اسلام ہے۔ اسلام کی خاطر مسلمان اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کی اس جذباتی اور روحانی وابستگی سے ہمارے دشمن ہم سے خائف رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قوم اسلام کی سر بلندی اور عظمت کی خاطر ترن من دھن کی بازی لگا سکتی ہے۔

5۔ ملکی بقاء اور سالمیت کا ضامن:

نظریہ پاکستان قومی یکجہتی، ملکی بقاء اور سالمیت کا ضامن ہے۔ نظریہ پاکستان مختلف علاقوں اور صوبوں کے لوگوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان میں باہمی اتحاد و یگانگت پیدا کرتا ہے اور علاقائی تعصبات، نسلی امتیازات اور لسانی اختلافات کو ختم کر کے قومی دھارے میں لا کر ملک کو استحکام بخشتا ہے اور پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان کی جگہ ”پاکستانی“ بن کر سوچنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ نظریہ پاکستان کی بدولت ہی تمام سیاسی، سماجی، مذہبی اور معاشرتی گروہ اکٹھے ہیں جو ملکی بقاء اور سالمیت کے لیے لازمی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

6۔ اسلامی اصولوں کی عملی تجربہ گاہ:

نظریہ پاکستان کے پیش نظر یہی بنیادی بات تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مسلم ریاست قائم کی جائے جہاں اسلام کے بنیادی اصولوں آزادی، مساوات، عدل و انصاف اور رواداری کے نفاذ کو ممکن بنایا جاسکے اور مسلمان اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔ قائد اعظم نے مطالبہ پاکستان کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ”بھائی چارہ، مساوات اور انسان دوستی ہمارے مذہب، ثقافت اور تہذیب کے بنیادی نکات ہیں۔ چونکہ ہمیں ان بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کا خدشہ تھا اس لیے ہم نے پاکستان کی تخلیق کے لیے جدوجہد کی“

7۔ اتحاد عالم اسلام:

نظریہ پاکستان کا ایک اہم تقاضا عالم اسلام کے اتحاد کو مضبوط بنانا بھی ہے کیونکہ پاکستان مذہب کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس مذہب کی تعلیم کا بنیادی تقاضا ہے کہ مسلمان دنیا کے خواہ کسی بھی خطے میں ہوں، ان کو اتحاد اور وحدت کی لڑی میں پرویا جائے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور اسلامی تہذیب و تمدن ترقی کرے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(اقبال)

8۔ کردار ساز تعمیر کا حامل:

چونکہ نظریہ پاکستان کی بنیاد نظریہ اسلام ہے اور اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ایک ایسی قوم تشکیل پاسکتی ہے جو انتہائی با کردار، با اخلاق، جرات مند، دیانتدار اور با عمل ہو۔ یوں نظریہ پاکستان عوام کے دلوں میں پختہ ہوتا جائے گا، قومی کردار کا معیار بلند تر ہوتا جائے گا اور اسی بلند کردار کی بدولت پاکستانی مسلمانوں میں عالمی قیادت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

9۔ قومی استحکام کی ضمانت:

نظریہ پاکستان ہی مضبوط و مستحکم پاکستان کا ضامن ہے۔ آج کی نوجوان نسل کو نظریہ پاکستان، تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے اغراض

کو مقاصد سے روشناس کرانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ ان قربانیوں اور کوششوں سے آگاہ ہو جائے جو ان کے آباؤ اجداد نے تحریک پاکستان کے دوران دی تھیں۔ نوجوان نسل کے ذہن میں تحریک پاکستان کے حالات و واقعات سے متعلق جذباتی وابستگی اور جوش پیدا کر کے ہی ملک کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جاسکتا ہے۔

10۔ جمہوریت کی کامیابی:

اسلام ایک جمہوری نظام ہے جو جمہوری اقدار پر یقین رکھتا ہے۔ شوریٰ نظام، قانون کی حاکمیت، آزادی، مساوات، عدل و انصاف اور رواداری اسلام کے بنیادی اصول ہیں، لہذا نظریہ پاکستان میں جمہوریت ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر نظریہ پاکستان پر پوری طرح عمل کیا جائے تو ملک میں جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور جمہوری اقدار کو فروغ حاصل ہوگا۔

11۔ اقلیتوں کے حقوق کا محافظ:

قائد اعظم نے واضح کر دیا تھا کہ پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں آپ نے اقلیتوں کے حقوق کے متعلق فرمایا۔

”آپ اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق چاہے کسی عقیدے سے ہو، ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ پاکستان کے تمام شہری مساوی ہیں اور انہیں مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔“

حاصل بحث:

نظریہ پاکستان ہی قیام پاکستان کا باعث بنا۔ آج ہم اس بنیادی نظریے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ نظریے سے انحراف کی بدولت آج ملک میں انتشار، کشیدگی، بد نظمی اور امن و امان کی صورت حال انتہائی سنگین ہے۔ ہم آپس میں دست و گریبان ہیں اور گروہی مسائل میں الجھ کر اپنے اصل مقصد سے ہٹ چکے ہیں۔ ان سب مسائل کا حل نظریہ پاکستان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ نظریہ پاکستان پر عمل پیرا ہو کر ہی ملک کو کامیابی کی منازل پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔

نظریہ پاکستان کا تاریخی پس منظر

(Historical Background of the Ideology of Pakistan)

نظریہ پاکستان کا تاریخی پس منظر صدیوں پر محیط ہے، جس کی جڑیں برصغیر میں اسلام کی آمد سے لے کر مسلمانوں کی سیاسی و سماجی جدوجہد تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس نظریے کی فکری بنیادیں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت رکھیں جب انہوں نے اکبر کے دین الہی کے خلاف اسلامی عقائد اور تہذیب کے تحفظ کی تحریک چلائی۔ بعد ازاں، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی معاشرت اور عدل و انصاف پر مبنی نظام کی اہمیت کو اجاگر کیا، جس نے برصغیر کے مسلمانوں میں دینی و سماجی بیداری پیدا کی۔ ان کے بعد سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو تعلیمی اور سیاسی میدان میں ترقی کے لیے جدید تعلیم اپنانے پر زور دیا اور دوقومی نظریے کی بنیاد رکھتے ہوئے مسلمانوں اور ہندوؤں کے جداگانہ تشخص کو اجاگر کیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس تصور کو مزید وسعت دی اور 1930ء میں ایک علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا، جہاں مسلمان اپنے مذہبی، سماجی، اور تہذیبی اقدار کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریے کو عملی شکل دی اور اپنی بے مثال قیادت سے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر کے قیام پاکستان کی راہ

ہمواری۔ ان تمام مفکرین اور رہنماؤں کی فکری اور عملی کاوشوں کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمانوں میں ایک الگ قوم ہونے کا احساس مضبوط ہوا، جو بالآخر 1947ء میں پاکستان کے قیام کی صورت میں حقیقت بن گیا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)

مختصر تعارف:

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ 15 جون 1564ء کو سرہند کے ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ عبدالاحد ایک ممتاز عالم دین اور صوفی بزرگ تھے جن کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن وحدیث، فلسفہ اور تصوف کی مزید تعلیم کے لیے 1599ء میں دہلی چلے گئے اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ خواجہ باقی باللہ بیرنگ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے مرشد کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے بعد مرشد کے حکم سے اپنے آبائی قصبے سرہند لوٹے اور دعوت دین میں مصروف ہو گئے اور اپنی وفات 1626ء تک اپنی تمام عمر احیائے اسلام میں گزاری۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستانی اسلام کو بدعتوں سے پاک کیا۔ توحید خالص کا تصور دیا اور رجوع الی القرآن اور اتباع سنت کی دعوت دی۔ احیائے اسلام کی ان خدمات کے عوض ان کے ہم عصر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملی خدمات

1۔ بدعات کا خاتمہ:

اسلام کے ہندوستان پہنچنے کے بعد ہندی اثرات نے اسلامی زندگی میں نفوذ کرنا شروع کر دیا۔ اسلام میں غیر اسلامی اقدار اور ہندوانہ رسوم و رواج کی زیادہ تر شمولیت عہد اکبری میں ہوئی۔ ہندوانہ رسم و رواج، غیر اسلامی اقدار اور بدعات سے اسلام اور ہندومت میں تفریق کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ مجدد الف ثانی نے ان تمام بدعتوں اور غیر اسلامی عقائد کی کھل کر مخالفت کی، اور مسلمان عوام کے سامنے ان کی اصل حقیقت بے نقاب کی اور اسلام کو تمام بدعتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کیا۔

2۔ ہندو جارجیت کا مقابلہ:

اکبر کے عہد حکومت میں ہندومت کے احیاء کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ اس تحریک کو دربار اکبری کے بااثر ہندو امراء کی حمایت حاصل تھی۔ یہ تحریک اسلام پر غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے جارحانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھی۔ اس کی جارحیت کا اندازہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب سے ہوتا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکبر دور میں ہندو اتنے دلیر اور نڈر ہو گئے تھے کہ متھرا کے ایک برہمن نے مسجد کی جگہ مندر تعمیر کیا اور جب مسلمانوں نے اس مذموم فعل کے خلاف مزاحمت کی تو اس نے نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو صدر الصدور نے اس ہندو کو سزائے موت دی تو اس پر دربار اکبری میں ہندو امراء نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اسی طرح تھانیس کے ہندوؤں نے ایک مسلمان بزرگ کے مقبرے اور مسجد کو گرا کر وہاں مندر تعمیر کر لیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کی اس جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان امراء، مسلمان علماء اور مسلمان عوام میں اسلام سے والہانہ لگاؤ کا جذبہ پیدا کیا۔ چنانچہ مسلمان علماء، امراء اور عوام ہندوؤں کے جارحانہ اقدامات کے سامنے ڈٹ گئے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(اقبال)

3۔ اکبر کے ”دین الہی“ کی مخالفت:

اکبر نے تمام مذہبوں میں سے چیدہ چیدہ اصولوں اور اقدار کو یکجا کر کے ایک نیا مذہب تخلیق کیا جس کو اس نے ”دین الہی“ کا نام دیا۔ اس مذہب میں اکبر کو روحانی پیشوا کا درجہ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اس کی اطاعت لازم تھی۔ اس مذہب میں داخل ہونے کے لیے اتوار کے دن لوگ دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ بادشاہ کو اس طرح سجدہ کرنا ضروری تھا کہ سر کا عمامہ زمین پر گر جائے۔ بادشاہ سجدہ کرنے والے شخص کے سر کو اوپر اٹھاتا اور اس کی پیشانی پر ہندو پنڈتوں کی طرح تلک لگا کر اسے ”دین الہی“ کا پیروکار بناتا تھا۔ اس نئے مذہب میں السلام علیکم کی جگہ ”اللہ اکبر“ کہا جاتا اور جواب دینے کے لیے ”جَلَّ جَلَالُہ“ کے الفاظ ادا کیے جاتے تھے۔

مختصر یہ کہ ہندومت اور اسلام کے اس مخلوط مرکب میں ہندومت اپنی مشرکانہ رسوم اور اقدار کی بدولت اسلام پر غالب تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے اس دین الہی کی بھرپور مخالفت کی اور آپ نے ہندومت اور اسلام کے اشتراک کی ہر کوشش کو سختی سے رد کرتے ہوئے کہا کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا ان کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کی ان مذکورہ کوششوں سے برصغیر کے عوام میں ”دین الہی“ سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔

4۔ وحدت ادیان کی مخالفت:

اکبر کے دور میں مسلمان صوفیاء اور علماء کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جو تمام مذاہب کو ایک قرار دیتا تھا۔ اس نظریہ کو ”وحدت ادیان“ کہا جاتا تھا۔ اس نظریے کے مطابق تمام ادیان (مذاہب) کی اصل ایک ہے۔ رام ورجیم ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں اور خدا کسی کی ذات میں بھی حلول کر سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باطل نظریے کو مسترد کرتے ہوئے توحید کا خالص تصور پیش کیا اور فرمایا کہ خدا ایک ہی ہے وہ کسی کی ذات میں حلول نہیں کر سکتا۔ آپ نے رام اور کرشن کی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا: ”رام و کرشن اور اسی قسم کی دوسری شخصیتیں جن کی ہندو پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ مخلوقات میں سے ہیں۔ ان کو ماں باپ نے پیدا کیا۔ رام جسرتھ کے بیٹے، کچھن کے بھائی اور سیتا کے شوہر تھے۔ جب رام اپنی بیوی سیتا کی ہی حفاظت نہ کر سکا تو وہ بیچارہ کسی دوسرے کی کیا مدد کرے گا۔ رام و کرشن کی پیدائش سے پہلے پروردگار عالم کو رام و کرشن تو نہیں کہا جاتا تھا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ ان کے وجود میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان کے ناموں سے پکارا جائے اور ان کی یاد کو یاد الہی سے تعبیر کیا جائے۔“ آپ نے ہندو پنڈتوں کے اس دعویٰ کو بھی مسترد کیا کہ خدا دیوتا میں اوتار کر سکتا ہے۔ آپ نے ان گمراہ کن نظریات سے مسلمانوں کو بچایا اور توحید کا درس دیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کو کسی نے نہیں جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

5۔ وحدت الوجود کی نفی:

عہد اکبری میں وحدت ادیان اور اکبر کے دین الہی سے متاثر ہو کر مسلمان صوفیاء کے ایک گروہ نے تصوف میں ”وحدت الوجود“ کا نظریہ متعارف کروایا۔ اس نظریے کے مطابق اللہ ہی کل ہے۔ یہ کائنات اپنے تمام جمادات، حیوانات، نباتات مع انسانوں کے دراصل خدا ہی ہے کیونکہ وجود صرف اسی کا ہے اس کے سوا جو کچھ کثرت میں دکھائی دیتا ہے اس میں وحدت ہے۔ انسان اللہ سے جدا نہیں، اللہ دریا ہے تو انسان قطرہ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریہ پر شدید تنقید کرتے ہوئے اس کی سخت مخالفت کی اور اس کے مقابلے میں ”وحدت الشہود“ کا نظریہ پیش کیا۔ جس کے مطابق خالق و مخلوق کا وجود الگ الگ ہے۔ البتہ کائنات میں موجود تمام مخلوق خدا کی عظمت و برتری کی شہادت دیتی ہے۔

6۔ رجوع الی القرآن:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ مسلمانوں کی گمراہی اور بے راہروی کی بنیادی وجہ قرآن و سنت سے دوری ہے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو رجوع الی القرآن اور اتباع سنت کی دعوت دی۔ آپ نے ”رجوع الی القرآن والسنة“ کے فروغ کے لیے ملک کے نامور علماء کرام کو خطوط لکھ کر احیائے اسلام کی طرف توجہ دلائی۔

7۔ شریعت کی پابندی کا درس:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تصوف کی مخالفت کی جو شریعت کے تابع نہ ہو۔ آپ نے احکام شریعت کی ادائیگی کو مقدم گردانا اور شرعی احکامات پر عمل پیرا ہونے کو دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ قرار دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تصوف کی ایسی منزل لا حاصل ہے جس کی بنیاد شریعت نہیں ہے۔

فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تو نے

آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی

(اقبال)

8۔ تصوف کی اصلاح:

شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو بھی آلائشوں سے پاک کرتے ہوئے شریعت کا پابند بنایا۔ آپ نے واضح کیا کہ تصوف کو شریعت کے بغیر سمجھنا بالکل بیکار ہوگا۔ آپ نے تصوف میں جو گمانہ اور مشرکانہ اثرات کو ختم کیا اور تصوف کو قرآن و سنت کے تابع بنایا۔

9۔ علمائے سوء کا توڑ:

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ علمائے سوء ہی معاشرے میں بگاڑ اور خرابی کے اصل ذمہ دار ہیں یعنی لبرل علماء کا وہ دنیا پرست گروہ جو آخرت سے غافل ہو کر غلط عقائد اور اقدار کو فروغ دیتا تھا اور قرآن و سنت کے منافی اصولوں کو دین کا حصہ قرار دیتا تھا چنانچہ شیخ مجدد نے جہانگیر کے مسند اقتدار پر بیٹھنے کے بعد اپنے معتقدین اور مسلمان امراء کو ہدایت فرمائی کہ بادشاہ کو ان علماء کی صحبت سے بچایا جائے۔ آپ نے علماء سوء کے مقابلے میں علمائے حق کو میدان میں اتارا اور ان تمام اقدار و روایات کے خلاف مزاحمت کرنے کی تاکید فرمائی جس سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

ہر ایک مقام سے آگے نکل گیا مہ نور

کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو

(اقبال)

10۔ امراء کی اصلاح:

دربار اکبری میں ہندو امراء کو غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل تھا اس لیے وہ ہر اس پالیسی کی مخالفت کرتے تھے جس سے احیائے اسلام کا کوئی پہلو نکلتا تھا۔ شیخ مجدد جانتے تھے کہ صرف فکری محاذ پر لڑنا کافی نہیں ہے بلکہ ایوان حکومت کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے انہوں نے ایک جدید حکمت عملی اپناتے ہوئے بادشاہ کے ارد گرد مسلمان مصاحبوں اور امراء کے حلقہ میں اثر و نفوذ پیدا کیا۔ انہیں بتایا کہ ان کے عہدے اس بات کے متقاضی ہیں کہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کریں۔ اسلام اور ہندومت کو یکجا نہ کریں کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باعث کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ان کو خبردار کیا کہ اگر انہوں نے اسلام کی اصل روح کے مطابق اپنے فرائض سرانجام نہ دیئے تو نہ صرف ان کی عاقبت خراب ہوگی بلکہ دنیا میں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ شیخ مجدد نے اپنی انتھک کوششوں سے مسلمان امراء کو حق پرستی کی طرف مائل کرتے ہوئے اسلام کے صحیح راستے پر گامزن کیا۔ انہی امراء کی وجہ سے اکبری مذہبی پالیسی میں تبدیلی آئی۔

11۔ دوقومی نظریہ کا پیر چار:

اکبر کے زیر اثر صوفیا کرام کے ایک گروہ نے ”وحدت ادیان“ کا تصور پیش کر کے تمام مذاہب کی حقیقت کو ایک قرار دے دیا۔ اس نظریے نے جھگت کبیر، رامانند، رامانج، گورونانک اور مسلمان صوفیا کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام باطل نظریات کو مسترد کرتے ہوئے اسلام و کفر، توحید و شرک، ہدایت و ضلالت، خدا پرستی اور بت پرستی میں فرق کو واضح کیا اور اسلام اور کفر کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا۔ آپ نے اسلام کے خدوخال کو واضح کرتے ہوئے اسے کفر و شرک سے ممتاز کیا اور اسے ہندومت میں ضم ہونے سے بچایا۔ آپ نے مخلوط قومیت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے مسلمانوں اور ہندوؤں کو الگ الگ قوم قرار دیا۔ اس طرح آپ نے دوقومی نظریہ کی راہ ہموار کی۔ جس کے باعث مسلمانوں کا علیحدہ تشخص اور الگ پہچان برقرار رہی۔

تیرے مقام کو اختر شناس کیا جانے
کہ خاک زندہ ہے تو، تابع ستارہ نہیں
(اقبال)

12۔ جہانگیر کی تخت نشینی میں کردار:

جب اکبر کی زندگی کا آخری وقت قریب آیا تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نقشبندی تحریک کے زیر اثر امراء نے اکبر پر باؤ ڈال کر خسرو کی جگہ جہانگیر کو مغلیہ سلطنت کا جانشین نامزد کروایا۔ ان امراء نے جہانگیر سے شریعت اسلامی کے احیاء کا وعدہ لیا چنانچہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اسلامی احکامات جاری کیے۔ جہانگیر کے اس اقدام کی وجہ سے شیخ مجدد نے جہانگیر کو ”بادشاہ اسلام“ قرار دیا۔

13۔ بادشاہ کو سجدہ تعظیمی کرنے سے انکار:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ”احیائے اسلام“ روز بروز عوام میں مقبولیت حاصل کرتی جا رہی تھی۔ ”وحدت الوجود“ اور ”وحدت ادیان“ کے پیروکار علماء، صوفیا اور ہندو امراء آپ کی اس مقبولیت سے خائف تھے چنانچہ انہوں نے آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہوئے جہانگیر کو آپ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ شیخ مجدد باغی ہے۔ آپ کو تعظیمی سجدہ کرنے سے انکاری ہے۔ جہانگیر نے آپ کو دربار میں بلا کر سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس انکار کے نتیجے میں آپ کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ آپ کے گھر بار کو لوٹ لیا گیا اور اہل خانہ کو جلا وطن کر دیا گیا مگر آپ کی گردن نہ جھکائی جاسکی۔

14۔ دوران قید اصلاحی تعلیمات:

آپ نے قلعہ کے اندر ہی لوگوں کے عقائد کی اصلاح اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی تبلیغ شروع کر دی۔ آپ کی اس تبلیغ سے ہزاروں غیر مسلم، مسلمان ہوئے اور جو مسلمان تھے ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔ قلعہ کی انتظامیہ اور قلعہ میں تعینات فوج بھی آپ کے تصورات، نظریات اور فلسفے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جہانگیر نے آپ کی تعلیمات کی سچائی کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو رہا کر دیا اور خلعت سلطانی کا تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کو واپس سرہند جانے یا دربار میں قیام کرنے کی آزادی دے دی گئی۔ جس پر آپ نے دربار میں رہنے کو ترجیح دی تاکہ دربار میں رہ کر ہندو و انہ رسومات کا خاتمہ کیا جائے اور امراء اور مصاحبین کو قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کا عادی بنایا جائے۔ آپ نے 1626ء میں وفات پائی۔ علامہ اقبال آپ کے متعلق فرماتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر حالات زندگی:

ہندوستانی مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص نگاہ کرم تھی۔ اس نے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کر دیا۔ جنہوں نے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے شروع کیے ہوئے تجدید دین اور اصلاح ملت کے کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کا اصل نام قطب الدین تھا، عہد عالمگیری کے آخری عہد میں 21 فروری 1703ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم عہد عالمگیری کے ایک ممتاز عالم دین تھے جنہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں حصہ لیا۔ انہوں نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ قائم کر کے مسلمانوں کو قرآن و سنت اور درس حدیث سے فیض یاب کیا۔ شاہ ولی اللہ نے قرآن، حدیث، منطق، علم الکلام، فقہ، طب اور علم ریاضی کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ آپ کی عمر سترہ سال ہوئی تو والد محترم انتقال فرما گئے۔ آپ نے والد کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ کا چارج سنبھال کر بارہ سال تک درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ 1730ء میں حرمین شریفین گئے۔ حج کی سعادت کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر شیخ ابوطاہر بن ابراہیم مدنی سے حدیث کی سند لی۔ 1732ء میں ہندوستان واپس آ کر مدرسہ رحیمیہ میں دوبارہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا جو 20 ستمبر 1762ء آپ کی وفات تک جاری رہا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ملی خدمات

1۔ بدعات کی مخالفت:

اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر قسم کے تغیرات اور بدعات کی مخالفت کی اور ان تمام عقائد و اقدار کو اسلام سے نکالنے کے لیے عملی اقدامات کیے جو دیگر مذاہب کے زیر اثر اسلام میں سرایت کر گئے تھے۔ آپ نے لوگوں کو اسلام کی اصل روح سے روشناس کرایا تاکہ لوگ صراطِ مستقیم کو اپنا کر گمراہی سے نجات حاصل کر سکیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(اقبال)

2۔ ہندوستان میں زوالِ امت کے اسباب کی نشاندہی:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغل حکومت کا زوال اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ صرف ایک حکومت کا زوال نہیں تھا بلکہ ایک تہذیب کا اور ایک ملت کا زوال تھا۔ انہوں نے زوالِ امت کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے جن اسباب کی نشاندہی کی ان میں اہم سبب، دین سے دوری، احکام اسلام کی عدم پیروی اور جذبہ جہاد کی کمی تھی۔ ان اسباب کے خاتمہ کے لیے انہوں نے قرآن و حدیث کے احکامات پر عمل پیرا ہونے، گناہ کبیرہ سے بچنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرنے اور کفریہ عقائد کے خاتمہ کے لیے جہاد کرنے جیسے عملی اقدامات تجویز کیے۔

3۔ قرآن پاک کا فارسی ترجمہ:

حضرت شاہ ولی اللہ نے دین کے حقیقی سرچشمہ قرآن مجید کو عوام کے لیے قابل فہم بنانے کے لیے 1738-39ء میں ”فتح الرحمن“ کے نام سے اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ شاہ ولی اللہ کو اس ترجمے کی وجہ سے علمائے وقت کی ناراضگی اور مخالفت مول لینا پڑی مگر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان علماء کو سمجھایا کہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے۔ اس کے احکامات کو صحیح معنوں میں سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا اس کے نازل ہونے کا اصل مقصد ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اس مساعی سے مساجد اور مدارس میں مقامی زبانوں میں قرآن مجید کا درس شروع ہو گیا۔

مرد خدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ
عشق اصل ہے حیات، موت ہے اس پر حرام (اقبال)

4۔ علم حدیث کا فروغ:

دین اسلام کا دوسرا سرچشمہ حدیث ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے عہد میں اسلامی مدارس کے درس نظامی کے نصاب میں صرف ونحو اور فقہ تو شامل تھے مگر درس حدیث کا کوئی خاطر خواہ انتظام موجود نہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ دے کر ہی اسلامی احکامات اور اسلامی قوانین کو صحیح معنوں میں سمجھا جاسکتا ہے۔ چونکہ آپ خود محدث تھے اور ساری عمر مدرسہ رحیمیہ میں درس حدیث دیا تھا۔ اس لیے آپ نے علم حدیث کے فروغ کے لیے موطا امام مالک کی شرح لکھی۔ احادیث کے چھوٹے چھوٹے مجموعے مرتب فرمائے۔ علم حدیث کو ہندوستان میں عام کرنے کے لیے حدیث کی چھ مستند کتابوں ”صحاح ستہ“ کا چلن عام کیا اور ”صحاح ستہ“ کو درس نظامی کے نصاب میں شامل کروایا۔ آپ کی ان کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان کے تمام اسلامی مدارس میں حدیث کی تعلیم عام ہو گئی۔

5۔ دین کو فکری بنیادوں پر استوار کیا:

فکری لحاظ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے دین کو ایک نظام حیات بنا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور اس کو فکری بنیادوں پر استوار کیا۔ اس طرح بعد میں آنے والی تمام عقلی اور فکری کاوشوں کے لیے راہ ہموار کر دی۔

6۔ ہندوانہ اقدار و روایات کی مخالفت:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ان تمام ہندوانہ رسوم و رواج اور مشرکانہ اقدار کی کھل کر مخالفت کی جن کو مسلمان ہندومت کے زیر اثر اختیار کر چکے تھے۔ مثلاً مسلمان بیوہ کے دوسرے نکاح کو پسند نہیں کرتے تھے، آپ نے بیوہ سے نکاح کو سنت رسول a قرار دیا۔ شادی بیاہ کے موقع پر تیل، مہندی اور مایوں کی غیر اسلامی رسموں پر عمل کیا جاتا تھا، آپ نے اسے خلاف سنت ٹھہرایا۔ لڑکیوں کو قرض لے کر جہیز دیا جاتا تھا، آپ نے اسے سنت نبوی ﷺ کے منافی قرار دیا۔ شادی کے بعد گود بھرائی کی رسم ادا کی جاتی تھی، آپ نے اسے مشرکانہ رسم قرار دیا۔ کسی کی وفات کے بعد رسم سوئم، رسم چہلم اور برسی کا اہتمام کیا جاتا تھا، آپ نے ان رسومات اور تین دن سے زائد سوگ کو خلاف شرع قرار دیا نیز آپ نے مسلمانوں کو روزمرہ زندگی میں سادگی اور قناعت اختیار کرنے کی تلقین کی۔

7۔ مسلمانوں کے باہمی فرقہ وارانہ مسائل کا حل:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے شیعہ سنی، حنفی شافعی، تقلید و اجتہاد، شریعت و طریقت، وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں راہ تطبیق (اتحاد) پیدا کرنے کی سنجیدہ کوششیں کیں۔ اس مقصد کے لیے آپ نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں جن میں قرار دیا کہ فقہی اختلافات کی بناء پر ایک

دوسرے کے اوپر کفر کے فتوے نہ لگائے جائیں۔ فقہی اختلافات کی صورت میں کسی بھی امام کی پیروی کی جائے وہ درست ہے مگر جن امور کے بارے میں حدیث سامنے آجائے تو کسی امام کے قول کو ترجیح دینا غلط ہے۔ وہاں حدیث پر عمل کیا جائے۔ اس طرح آپ نے ملت کے ایک اصلاح کنندہ کا فریضہ سرانجام دیا۔

8۔ اجتہاد کی اہمیت پر زور:

جب آپ نے ہوش سنبھالا، ملت اسلامیہ کے علماء فقہی مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ آپ نے زمانے اور وقت کے بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے تقاضوں کے تحت علماء کو اجتہاد سے مدد لینے کی ترغیب دی تاکہ دین اسلام قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن رہے۔

9۔ اسلامی معاشی نظام کا احیاء:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرانے میں معاشی حالات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اسلام کے معاشی اصولوں کو نافذ کر کے معاشی مساوات قائم کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے مسلمان تاجروں کو حلال و حرام میں تمیز کرتے ہوئے ناجائز منافع خوری اور ملاوٹ سے منع کیا۔ کاروبار اور تجارت میں ایمانداری اور سچائی کو فوقیت دینے کی تلقین کی۔ دولت کے ارتکاز کو چند ہاتھوں میں جانے کی ممانعت کرتے ہوئے دولت کے گردش کے اصول کی حمایت کی۔ آپ نے دولت کی اصل بنیاد محنت کو قرار دیا اور معاشرے کے لیے لازم ٹھہرایا کہ وہ محنت کش کو محنت کی صحیح اور بروقت قیمت ادا کرے۔ مزدوروں کے اوقات محدود کرے اور ان کے حقوق کا تحفظ کرے۔

10۔ دوقومی نظریہ کی اشاعت:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اشتراک قومیت کے ہر اقدام کی مخالفت کی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ قوم قرار دیا۔ اس طرح آپ نے دوقومی نظریہ کی اشاعت کا فریضہ سرانجام دیا۔

11۔ سیاسی نظام کی اصلاح:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے سیاسی نظام کی اصلاح کو غلبہ اسلام کے لیے ضروری قرار دیا۔ آپ نے تجویز کیا کہ ہر تین چار روز کی مسافت پر ایک ایسے حاکم کا تقرر عمل میں لایا جائے جو متقی اور پرہیزگار ہو، اسلامی شعائر کی پابندی کرتا ہو، عدل و انصاف کا داعی ہو، نڈر اور بہادر ہو، ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکے، رعایا کو حقوق اور سہولیات فراہم کرے۔ اللہ کی حدود کو قائم کرے اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود و قیود کو پامال کرے اسے سزا دے سکے۔ اس طرح سیاسی نظام کے سارے شعبے اسلام میں رنگے جائیں گے اور دین اسلام کو استحکام حاصل ہوگا۔

12۔ غلبہ کفار کا خاتمہ..... جہاد:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے زمانے میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ہندو منظم ہو کر اسلامی سلطنت کو چیلنج کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر حملے ہو رہے تھے۔ شعائر اسلام کی ادائیگی سے مسلمانوں کو روکا جا رہا تھا۔ ہندو ائمہ رسومات اور اقدار کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر کفار کا غلبہ، معاذ اللہ، اسی طرح باقی رہا تو مسلمان اسلام سے بیگانہ ہو جائیں گے اور زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ وہ ایسی

قوم بن کر رہ جائیں گے جو نہ اسلام کو جانتے ہوں گے اور نہ کفر کو۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہوگی۔“

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کفار کے غلبہ کا واحد حل جہاد کو قرار دیا۔

کوه شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشادہ شرق و غرب
تبغ ہلال کی طرح، عشق نیام سے گزر
(اقبال)

13۔ احمد شاہ ابدالی کو دعوت جہاد:

حضرت شاہ ولی اللہ نے کفار کے غلبہ کو ختم کرنے، اسلامی حکومت کو بچانے اور مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کی سرکوبی کے لیے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور روہیلہ قبیلہ کے سردار نجیب الدولہ کو احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دینے پر راضی کیا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی اور نجیب الدولہ کی اتحادی افواج نے جنوری 1761ء کو پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا اور ان کی ہندوستان پر ہندو حکومت ”رام راج“ کی خواہش کو مزید دو صدیوں کے لیے مؤخر کر دیا۔

14۔ آپ کے مشن کو آگے بڑھانے میں آپ کے خاندان کا کردار:

آپ کے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین بنے۔ جنہوں نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے کر انگریزوں کے خلاف جہاد کی راہ ہموار کی۔ آپ کے دو بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن مجید کے اردو تراجم کر کے قرآنی تعلیمات کو عام لوگوں کے لیے قابل فہم بنایا۔ آپ کے چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنی تحریک مجاہدین کے قائد شاہ اسماعیل شہید کے والد محترم تھے۔ آپ کے پانچویں بیٹے شاہ محمد صوفی درویش تھے۔ انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دیتے ہوئے اسے سارے ہندوستان میں پھیلا دیا۔
حاصل بحث:

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ السلام نے احیائے اسلام اور اصلاح ملت کے لیے جو کوششیں کیں وہ قابل ستائش ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید بھی اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ہمارے نزدیک تحریک پاکستان کی تاریخ کا آغاز شاہ ولی اللہ کی تحریک سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں دین، سیاست اور معیشت تینوں عناصر کا فرما ہیں۔“

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے
(اقبال)

سر سید احمد خاں اور نظریہ پاکستان

(Sir Syed Ahmed Khan and Ideology of Pakistan)

ابتداء میں سر سید احمد خاں بھی ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے اور دو قومی نظریہ کے قائل نہ تھے۔ وہ دونوں قوموں کو ایک ہی قوم گردانتے ہوئے ان کے لیے ”ہندوستانی“ کی اصطلاح استعمال کرتے تھے اور مسلمانوں اور ہندوؤں کو دلہن کی دو آنکھوں کے مانند قرار دیتے تھے لیکن 1867ء میں بنارس سے شروع ہونے والے اردو ہندی تنازعہ نے ان کی سوچ کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور انھیں دو قومی نظریہ کا سب سے بڑا علمبردار بنادیا۔
اردو ہندی تنازعہ کے بعد سر سید احمد خاں نے کہا ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اور وہ کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے۔ یوں سر سید احمد خان وہ پہلے مسلمان سیاسی راہنما تھے جنہوں نے سب سے پہلے دو قومی نظریہ کی اصطلاح استعمال کی۔ دو قومی نظریہ کے حوالے سے سر سید احمد خان کے کردار کو درج ذیل عنوانات کے تحت اُجاگر کیا جاتا ہے۔

1۔ اُردو ہندی تنازعہ (Urdu Hindi Controversy):

برصغیر پاک و ہند میں اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا۔ 1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اُردو کی بجائے ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دلوانے کے لیے ایک منظم تحریک شروع کی تو سرسید کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اُردو کی مخالفت کرنے سے ہندوؤں کا اصل مقصد مسلمانوں کے ثقافتی اور تہذیبی ورثہ کو نقصان پہنچانا ہے۔ چنانچہ آپ نے اردو زبان کے تحفظ کے لیے ایک ایسوسی ایشن قائم کی اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی اردو کو تباہ کرنے کی سازش کو سفارش بارے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہندو اس معمولی سی بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تو آگے چل کر یہ دونوں قومیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ انہوں نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر برصغیر کے سیاسی اور دیگر مسائل کا حل تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم ثابت کرتے ہوئے فرمایا ”برصغیر کے مسلمان ایک الگ اور مکمل قوم ہیں اور لفظ قوم کی جو بھی تعریف کی جائے اور جس سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی اقدار پر پرکھا جائے وہ ایک مکمل قوم ثابت ہوتے ہیں۔“

2۔ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ (Demand for separate election):

لوکل سیلف ایکٹ 1882ء کے ذریعے انگریزی حکومت نے ہندوستان میں پارلیمانی نظام حکومت کی بنیاد رکھی اور اس قانون کے تحت میونسپل کونسلوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا تو سرسید احمد خان نے فرمایا ”اس ملک میں اگر برطانیہ کی طرح کے انتخاب کا اصول اپنایا جائے گا تو یہاں کیا ہوگا۔ ہندو، ہندو کو ووٹ دے گا اور مسلمان، مسلمان کو۔ اس طرح ہندو امیدوار کو چار ووٹ ملیں گے اور مسلمان کو ایک۔ اس طرح یہ شطرنج کی ایسی کھیل ہوگی جس میں ایک کھلاڑی کے پاس چار مہرے ہوں اور دوسرے کے پاس صرف ایک۔“ بہر حال اس قانون کے تحت جب ہندوستان میں انتخابات ہوئے تو مسلمان راہنماؤں کے اندیشے بالکل درست ثابت ہوئے کیونکہ مسلمانوں کے اکثریتی حلقوں میں بھی مسلمان امیدوار کا میاب نہ ہو سکے۔ انتخاب کے بعد سرسید احمد خان نے مخلوط طریقہ انتخاب کی اعلانیہ مخالفت شروع کر دی اور مسلمان قوم کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ جداگانہ انتخاب کے اس مطالبے نے قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔

3۔ کانگریس کی تشکیل اور سرسید کا نقطہ نظر:

1885ء میں لارڈ ڈفرن اور اے۔ او۔ ہیوم کی کوششوں سے برصغیر کی پہلی سیاسی جماعت ”انڈین نیشنل کانگریس“ قائم کی گئی۔ سرسید احمد خان کو بھی اس کی رکنیت اختیار کرنے کی دعوت دی گئی لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا کیونکہ سرسید کو خدشہ تھا کہ رفتہ رفتہ انتہا پسند ہندو کانگریس پر چھا جائیں گے۔ سرسید کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا جب بیسویں صدی کے اوائل میں کانگریس کی قیادت انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھ چلی گئی اور انھوں نے ہر اس اقدام کی مخالفت کی جس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہوتا دکھائی دیا۔ نیز سرسید کی دورانِ اندیش نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کرنے والی جماعت ہے اس لیے سرسید نے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے منع کیا جس کا مسلمانوں نے مثبت جواب دیا۔

4۔ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کا قیام:

سرسید احمد خان نے 1888ء میں علی گڑھ میں ”انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن“ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور ملک بھر میں اس کی شاخیں کھولیں۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے سرسید احمد خان نے کانگریس کے تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعویٰ کو غلط قرار دیا اور واضح کیا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی۔ سرسید کی ان کوششوں سے کانگریس میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہو گئی۔

5۔ پارلیمانی نظام کا کانگریسی مطالبہ:

انڈین نیشنل کانگریس نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ برصغیر میں بھی برطانوی طرز کا پارلیمانی نظام رائج کیا جائے۔ اور مرکزی اور صوبائی سطح پر مجالس قانون ساز تشکیل دی جائیں۔ بظاہر یہ بڑا جمہوری مطالبہ تھا لیکن سرسید اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ پارلیمانی طرز حکومت میں ہندو اکثریت غالب آکر مسلمانوں کو عتاب کا نشانہ بنائے گی چنانچہ آپ نے اس مطالبہ کی کھل کر مخالفت کی اور کہا کہ برصغیر ایک ملک نہیں اور نہ یہاں ایک قوم بستی ہے۔ برطانوی پارلیمانی طرز کا نظام برصغیر میں رائج کیا گیا تو یہاں اکثریت کی اجارہ داری اور آمریت قائم ہو جائے گی جو مسلمانوں کو غلام بنادے گی۔ سرسید کا مدلل نقطہ نظر سمجھ کر برطانوی حکومت ہندوستان میں پارلیمانی نظام رائج کرنے سے باز رہی۔

6۔ مقابلے کے امتحان کی مخالفت:

کانگریس کا مطالبہ تھا کہ مقامی باشندوں کو انڈین بیوروکریسی میں شامل کیا جائے اور اس کے لیے مقابلے کے امتحان کا انعقاد کیا جائے۔ سرسید احمد خان نے اس مطالبہ کی بھرپور مخالفت کی کیونکہ ہندو زیادہ پڑھے لکھے تھے جبکہ مسلمان تعلیمی میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے تھے۔ مقابلے کے امتحان میں ہندوؤں کو ان کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ نشستیں ملنے کی توقع تھی۔ جبکہ مسلم نوجوانوں کو ان کا مناسب حصہ ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ سرسید نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ مقابلے کا امتحان نہ لیا جائے بلکہ آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کے لیے ملازمتوں کا کوٹہ مقرر کیا جائے۔

7۔ محمدن ڈیفنس ایسوسی ایشن:

ہندو مسلم اختلافات کی وجہ سے سیاسی مسائل جنم لے رہے تھے۔ مقامی کنسلوں میں مسلم نمائندگی، مقابلے کا امتحان، پارلیمانی نظام کا مطالبہ اور اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر نافذ کروانے کی کوششوں کی وجہ سے سرسید کو ایک مسلم سیاسی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے ”محمدن ڈیفنس ایسوسی ایشن“ قائم کی۔ یہ ایسوسی ایشن مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت منوانے کے لیے کوشاں رہی۔

8۔ سیاسی قیادت کی فراہمی:

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو اعلیٰ پائے کی سیاسی قیادت فراہم کی۔ ان میں نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، علی برادران اور مولانا ظفر علی خاں کے نام قابل ذکر ہیں۔ 1906ء میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے جو شملہ وفد تشکیل دیا گیا تھا اس کے بیشتر اکابرین کا تعلق تحریک علی گڑھ سے ہی تھا۔ اس وفد نے وائسرائے لارڈ منٹو سے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ جسے 1909ء کی منٹو مارلے اصلاحات میں تسلیم کر لیا گیا۔ اسی طرح آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام بھی سرسید کی قائم کردہ تنظیم محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس 1906ء منعقدہ ڈھاکہ میں ہوا۔

9۔ تحریک پاکستان میں حصہ:

علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلباء نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے قائد اعظم اور مسلم لیگ کا پیغام برصغیر کے ہر شہر اور ہر گاؤں میں پہنچایا اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا اور تحریکی سرگرمیوں کو عروج پر پہنچایا۔ سرسید کو خراج تحسین:

سرسید احمد خان نے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، ادبی اور تعلیمی میدانوں میں مسلمانوں کے حقوق کا بڑی ہی کامیابی سے دفاع کیا اور قومی نظریہ اور جداگانہ انتخاب کا واضح تصور پیش کر کے قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”حق یہ کہ قومیت کا خیال بھی اُسی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اگر اس کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قصر پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی مرد پیر نے رکھی تھی۔“

مختصر یہ کہ سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جن پر مسلم نسلیں جتنا بھی فخر کریں وہ کم ہے۔

علامہ اقبالؒ اور نظریہ پاکستان

(Allama Iqbalؒ and Ideology of Pakistan)

دنیا میں ایسی عظیم المرتبت ہستیاں بہت کم پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے اپنے افکار اور نظریات کی بدولت تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ علامہ محمد اقبالؒ کا شمار بھی ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے افکار اور اشعار کے ذریعے مسلمانان ہند کی سوئی ہوئی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ قوم کے افراد میں آزادی کی لگن اور تڑپ پیدا کی اور الگ مسلم ریاست کا تصور دے کر ان کی منزل کا تعین کر دیا۔ پاکستان کا تصور پیش کرنے پر آپ کو مصوٰر پاکستان کہا جاتا ہے۔ آپ کے افکار سے نظریہ پاکستان کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے

نگاہ شاعر رنگین نوا میں ہے جادو (اقبال)

1۔ وطنیت کے نظریہ کی مخالفت:

بیسویں صدی کے آغاز میں نظریہ قومیت برصغیر میں بہت مقبول ہو رہا تھا جس کی بناء پر تمام مذاہب کے لوگوں کو ایک قوم میں ضم کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں تاکہ متحدہ ہندوستانی قومیت پیدا کی جاسکے۔ اس طرح مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت اور علیحدہ تشخص کے ختم ہونے کا اندیشہ تھا اور اسی اندیشہ کے پیش نظر علامہ محمد اقبالؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کو واشگاف الفاظ میں بتا دیا کہ ”میں یورپی تصور وطنیت کا مخالف ہوں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس میں منکر خد مادیت کے جرائم پائے جاتے ہیں جنہیں میں نہ صرف اسلام بلکہ جدید انسانیت کے لیے بھی عظیم خطرہ سمجھتا ہوں۔“ وہ وطنی قومیت کے تصور کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن ہے اس کا وہ مذہب کا کفن ہے

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفویٰ ہے

2۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات:

علامہ اقبال اس بات پر پورا یقین رکھتے تھے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ ضابطہ حیات دنیا کے تمام نظاموں سے بہتر ہے۔ 1930 کو آپ نے خطبہ الہ آباد میں اسلام کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے فرمایا: ”اسلام ایک حقیقت ہے، دستور حیات ہے اور ایک نظام ہے۔ یہی وہ بات ہے کہ اگر ہم اسے پالیں تو مستقبل میں ہندستان کی ایک شاندار تہذیب کے علمبردار بن سکتے ہیں۔“

نخل اسلام نمونہ ہے برومندی کا

پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا (اقبال)

3۔ اسلام..... الگ مسلم شخص کا سبب:

ہندو مت نے ہر مذہب کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب تھا جس نے اپنی الگ پہچان برقرار رکھی اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو ختم ہونے سے بچایا اور ان کی جداگانہ حیثیت برقرار رکھی۔ اسی بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”ایک سبق جو میں نے اسلامی تاریخ سے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی بلکہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کو بچایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔“

4۔ جداگانہ حیثیت:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسلمان دوسری قوموں سے الگ قوم ہے اور وہ اپنی جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ کبھی بھی ایک ”متحدہ قوم“ بن کر نہیں رہ سکتے تھے اس لیے ان کو الگ وطن چاہیے تھا۔ خطبہ الہ آباد میں آپ نے فرمایا: ”ہندوستان ایک برصغیر ہے، ملک نہیں۔ یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں۔ مسلم قوم اپنی جداگانہ مذہبی اور ثقافتی پہچان رکھتی ہے۔ تمام مذہب قوموں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی اصولوں اور ثقافتی و سماجی اقدار کا احترام کریں۔“

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی (اقبال)

5۔ اتحاد عالم اسلام:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اتحاد عالم اسلام کے داعی تھے۔ وہ امت مسلمہ کو متحد اور یکجا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے مطابق امت مسلمہ میں اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دے کر ہی دنیا کی قیادت ہاتھ میں لی جاسکتی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تاجخاک کا شغری (اقبال)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کو جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر ایک ملت میں ضم ہونے کا درس دیتے ہیں۔

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

6۔ اسلامی نظریہ ملت:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نظریہ اسلام کو مسلم قومیت کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور قومیت کے مغربی نظریوں کو مسترد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی وہ واحد عنصر ہے جس سے مسلمان قوم اکٹھی رہ سکتی ہے۔

7۔ دین و دنیا کی علیحدگی کا رد:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دین و دنیا کی علیحدگی کے مغربی نظریہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام میں دین اور دنیا میں کوئی علیحدگی نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ”اسلام کے نزدیک ذات انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، ریاست و کلیسا ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔“
آپ نے واضح کر دیا کہ ۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

8۔ دو قومی نظریہ کا پرچار:

علامہ اقبال نے متحدہ قومیت کے نظریہ کو مسترد کرتے ہوئے دو قومی نظریہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی۔ ”قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن اور نہ مشترکہ اقتصادی اغراض بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے عقیدے کا سرچشمہ ایک ہے۔“

9۔ علیحدہ ریاست کی ضرورت..... اسلام کا مطالبہ:

علامہ اقبال کے نزدیک برصغیر کے مسلمانوں کو ایسے خطے کی ضرورت تھی جس میں وہ مسلم قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں، اپنی الگ شناخت برقرار رکھ سکیں اور اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔ آپ نے خطبہ الہ آباد میں فرمایا: ”اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے۔“

ناوک ہے مسلمان، ہدف اس کا ثریا
ہے سراسر پردہ جاں، نکتہ معراج (اقبال)

10۔ علیحدہ مسلم ریاست کا مطالبہ:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ 1930ء کو خطبہ الہ آباد میں آپ نے پہلی مرتبہ علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کرتے ہوئے فرمایا: ”آج مسلمان یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہی ایک اسلامی ہندوستان کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں کچھ اور آگے جانا چاہتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ صوبہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست کی شکل دے دی جائے۔ پھر یہ ریاست برطانوی ہند کے اندر اپنی خود مختار حکومت کا قیام عمل میں لائے یا اس سے باہر۔ مگر میرا احساس ہے کہ آخر کار شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک الگ ریاست قائم کرنا پڑے گی۔“

اس طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا مطالبہ کر کے مسلمانوں کی منزل کا تعین کر دیا اور بالآخر 14 اگست 1947ء کو مسلمان اپنی منزل مقصود کو پالنے میں کامیاب ہو گئے۔

قائد اعظمؒ اور نظریہ پاکستان

(Quaid-e-Azam and Ideology of Pakistan)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبال)

قائد اعظم برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے عظیم رہنما تھے۔ ان کا شمار دنیا کے ان چند ممتاز قائدین میں ہوتا ہے جنہوں نے آزادی کی جنگ ”تلوار“ کی بجائے ”آئینی و قانونی اقدار“ کے ساتھ لڑی۔ قائد اعظم نے اپنی سیاسی بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہندو اور برطانوی سامراج کی مشترکہ قوتوں کو شکست فاش دے کر علامہ اقبال کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور ایک ”نظریہ“ کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے الگ وطن حاصل کیا۔ آپ نے مختلف مواقع پر نظریہ پاکستان کی وضاحت بڑے مدلل انداز میں پیش کی جس سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

1۔ جدا گانہ قومیت:

قائد اعظم نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو الگ الگ قومیں قرار دیتے ہوئے دو قومی نظریے کی وضاحت ان الفاظ میں کی۔ ”اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں بلکہ درحقیقت دو مختلف معاشرتی نظام ہیں چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متضاد ہوتے رہتے ہیں..... اکثر اوقات ایک قوم کی قابل احترام شخصیت اور راہنما دوسری قوم کی بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے، ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔“

2۔ الگ مملکت کا تصور:

قائد اعظم نے 1944ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”پاکستان تو اسی دن وجود میں آگیا تھا جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا یہ اس زمانے کی بات ہے جب جہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔“

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

(اقبال)

3۔ قرآن مجید.....ملکی نظام کی بنیاد:

قائد اعظم اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھتے تھے اور اس ضابطہ حیات کے عملی نفاذ کے لیے قرآن مجید کو بنیاد بنا کر ملکی نظام کو استوار کرنا چاہتے تھے۔ 1943ء میں قائد اعظم نے مسلم لیگ کے جلسہ منعقدہ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ”وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان اور وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔“

4۔ جذبہ آزادی:

قائد اعظم انگریزوں اور ہندوؤں کی مکارانہ سازشوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان سے نجات کے لیے آپ نے مسلمان قوم کو ہر قربانی دینے

کے لیے تیار کیا۔ آپ نے تقسیم برصغیر کے حوالے سے فرمایا: ”ہمارے دلوں میں آزادی کی بے پناہ تڑپ موجود ہے۔ ہم برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات پر کبھی راضی نہیں ہو سکتے کہ ہمیں ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔“

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پر اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں
(اقبال)

5۔ قیام پاکستان کے مقاصد:

پاکستان بننے کے بعد آپ نے قیام پاکستان کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”دس سال سے ہم جس مملکت کی تخلیق کے لیے کوشاں تھے، خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اب پاکستان کا مقصد ہمارے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم نے ایک ایسی ریاست بنائی ہے جس میں ہم آزاد افراد کی طرح رہ سکیں، اپنی تہذیب و ثقافت کو ترقی دے پائیں اور اسلام کے اجتماعی نظام عدل کے اصولوں پر عمل پیرا ہو سکیں۔“

6۔ اسلامی نظام کا نفاذ:

قائد اعظم نے 1948ء کو پشاور کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”ہم نے پاکستان کا مطالبہ محض زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزمائیں۔“

7۔ اسلام..... مکمل ضابطہ حیات:

قائد اعظم نے 1948ء میں سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”اسلام محض رسوم و روایات اور روحانی نظریات کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک ضابطہ حیات ہے جو ہر مسلمان کے لیے ہے تاکہ وہ اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال و اعمال اور سیاست و معاشیات میں اس پر عمل پیرا ہو سکے۔ اسلام میں سب انسان برابر ہیں۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کی اساس ہیں۔“

8۔ تعصبات کا خاتمہ:

21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ آپ پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان اور بنگالی بن کر بات نہ کریں۔ یہ کہنے میں آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی، سندھی یا پٹھان ہیں، ہم تو بس مسلمان ہیں۔ ہمیں وہ سبق نہیں بھولنا چاہیے جو تیرہ سو سال پہلے ہمیں سکھایا گیا تھا۔“

فطرت افراد سے اغماض کر بھی لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف
(اقبال)

9۔ اسلامی معاشی نظام:

قائد اعظم اسلام کے معاشی نظام کو ہی معاشی مساوات اور معاشی و معاشرتی انصاف کا حل سمجھتے تھے اور مغربی معاشی نظام کو معاشی ناہمواری کا سبب قرار دیتے تھے۔ یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”مغرب کا معاشی نظام انسانیت کے لیے ناقابل حل مسائل پیدا کر رہا ہے اور یہ لوگوں کے درمیان انصاف کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایسا معاشی نظام پیش کرنا ہے جو اسلام کے صحیح تصور مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر مبنی ہو۔“

10۔ حصول پاکستان..... مطالبہ اسلام:

قائد اعظم نے علی گڑھ میں نظریہ پاکستان کو بیان کرتے ہوئے حصول پاکستان کے مقصد کی یوں وضاحت کی۔ ”پاکستان کے مطالبے کے

جذبہ کا محرک کیا تھا اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ مملکت کی وجہ کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کی وجہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔

11۔ اسلامی جمہوریت:

قائد اعظم جمہوری اقدار پر یقین رکھتے تھے اور انہوں نے آئین و قانون کے اندر رہ کر حصول پاکستان کی جنگ لڑی۔ 14 فروری 1948ء کو بلوچستان میں سب سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔“

12۔ اقلیتوں کا تحفظ:

قائد اعظم اقلیتوں کی سلامتی اور تحفظ کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”ہم پاکستان میں تمام اقوام کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ان اقلیتوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ان کے ساتھ منصفانہ اور برادرانہ سلوک کیا جائے گا اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ ہماری تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی تعلیمات نے ہمیں یہی سبق سکھایا ہے۔“

مسلمان کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا
(اقبال)

13۔ پاکستانی دستور کی بنیاد۔۔۔ جمہوری اور اسلامی اصول:

فروری 1948ء میں قائد اعظم نے فرمایا: ”پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس دستور کی صورت کیا ہوگی لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی نوعیت جمہوری ہوگی اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہوگی۔ میرا ایمان ہے کہ یہ اصول جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھے آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں۔“

14۔ اسلام کی بقاء حصول پاکستان میں پنہاں:

قائد اعظم اسلام کی بقاء اور اسلام کے احیاء کے لیے پاکستان کے حصول کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ 20 دسمبر 1946ء کو مصر کے شہر قاہرہ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”اگر ہندو شہنشاہیت قائم ہوگئی تو تمام مسلمان ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے اور بالآخر برطانوی ملوکیت کے غلام ہو جائیں گے۔ ہمارے لیے پاکستان زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس وقت تک مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں آزاد نہ ہوں گی جب تک پاکستان قائم نہ ہوگا۔“

15۔ مسلمانوں کی منزل پاکستان:

قائد اعظم نے 19 نومبر 1940ء کو مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے ہندوؤں، کانگریس اور انگریزی حکومت پر واضح کر دیا کہ ”ہم نے قطعی طور پر ہمیشہ کے لیے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنالیا ہے اور ہم اس کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔“

تبصرہ:

قائد اعظم نے مختلف مواقع پر دو قومی نظریہ اور نظریہ پاکستان کی وضاحت اتنے مدلل انداز سے پیش کی کہ انگریز اور ہندوؤں کو مسلمانوں کا الگ وطن کا مطالبہ ماننا پڑا۔

ii۔ قیام پاکستان کا تاریخی و سیاسی تناظر 1857ء تا 1947ء

(Historical Contest of the Creation of Pakistan from 1857 to 1947)

برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی و سماجی جدوجہد کا سفر صدیوں پر محیط ہے، جو بالآخر قیام پاکستان پر منبج ہوا۔ اس جدوجہد کی بنیاد دو قومی نظریے پر رکھی گئی، جس کے تحت مسلمانوں نے اپنی جداگانہ مذہبی، ثقافتی، اور سیاسی شناخت کو برقرار رکھنے کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کو شدید سیاسی اور معاشی زوال کا سامنا کرنا پڑا، لیکن سرسید احمد خان نے تعلیمی بیداری کی تحریک چلا کر انہیں جدید علوم کی طرف راغب کیا۔ بعد ازاں، علامہ اقبال نے 1930ء کے خطبہ الہ آباد میں ایک علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا، جو برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک نئے سیاسی مستقبل کی راہ ہموار کر گیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ نے اس تصور کو عملی شکل دی، اور 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان منظور کی گئی، جس نے قیام پاکستان کی بنیاد رکھ دی۔ ہندو اکثریتی سیاست، انگریزوں کی چالاکیاں، اور مسلمانوں کے حقوق کی مسلسل پامالی نے اس مطالبے کو تقویت بخشی، جو بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی صورت میں ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام پر منبج ہوا۔ برصغیر کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور ثقافتی حرکیات کی روشنی میں قیام پاکستان کے تاریخی و سیاسی تناظر کا جائزہ درج ذیل ہے۔

1۔ نظریاتی اختلافات (Ideological Differences):

برصغیر میں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان آباد تھیں۔ ان دونوں کے طور طریقے، رہن سہن کے انداز، طرز معاشرت، رسوم و رواج اور مذاہب الگ الگ تھے۔ ان نظریاتی اختلافات کی وجہ سے بے پناہ مسائل اور پیچیدگیاں جنم لے رہی تھیں۔ ان کے حل کے لیے پاکستان کا قیام ناگزیر تھا۔

2۔ 1857ء کی جنگ آزادی: (The War of Independence of 1857):

1857ء کی جنگ آزادی ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف پہلی بڑی مزاحمت تھی۔ اگرچہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر اس جنگ میں حصہ لیا لیکن جنگ میں شکست کے بعد مسلمانوں کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ انہیں سیاسی، سماجی اور اقتصادی طور پر پسماندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی جو ان کے سیاسی شعور کو مزید بیدار کرنے کا سبب بنی۔

3۔ تحریک علی گڑھ (Ali Garh Movemet):

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان تمام شعبوں میں پسماندگی کا شکار ہو گئے۔ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے، سرسید احمد خان نے علی گڑھ تحریک کا آغاز کیا۔ سرسید نے مسلمانوں کو انگریزی زبان اور جدید تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ دوبارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔ تاہم، اس تحریک نے مسلمانوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم فراہم کیا اور ان میں قومی بیداری پیدا کی، اور یہی قومی بیداری قیام پاکستان کی راہ ہموار کرنے کا سبب بنی۔

4۔ اردو ہندی تنازعہ (Urdu-Hindi Controversy):

ہندو مسلم اختلافات وقت کے ساتھ شدت اختیار کرتے گئے۔ 1867ء میں ہندوؤں کی جانب سے اردو کے خلاف تحریک چلائی گئی اور ہندی کو قومی زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا، جس نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہندوؤں کے حقوق سلب کرنا چاہتے ہیں۔ اردو ہندی تنازعے کے

بعد مسلمانوں کو احساس ہوا کہ ان کی زبان، ثقافت اور روایات خطرے میں ہیں اور انہیں اپنی شناخت کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک علیحدہ اور خود مختار حیثیت سے ابھرنا ہوگا۔ اس تنازعے نے مسلمانوں کو مزید متحد کیا اور انہیں اپنے سیاسی و سماجی مستقبل پر از سر نو غور کرنے پر مجبور کیا۔

5۔ کانگریس کا ہندو نواز رویہ (The Pro-Hindu Stance of Congress):

1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدا میں یہ تاثر دیا گیا کہ کانگریس پورے برصغیر کے عوام کی نمائندہ جماعت ہے، لیکن جلد ہی مسلمانوں نے محسوس کیا کہ کانگریس پر انتہا پسند ہندوؤں کا غلبہ ہے اور یہ صرف ہندوؤں کے مفادات کے تحفظ کے لیے کام کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی، تعلیمی، اور معاشی حقوق کو نظر انداز کیا جانے لگا، اور انہیں ایک دوسرے درجے کے شہری کے طور پر دیکھا جانے لگا۔ کانگریس کے ہندو نواز رویے اور مسلم دشمن پالیسیوں کے سبب مسلمانوں میں یہ شعور پختہ ہو گیا کہ وہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر نہیں رہ سکتے۔ یہی احساس قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔

6۔ تقسیم بنگال 1905ء (Partition of Bengal 1905):

لارڈ کرزن نے 16 اکتوبر 1905 کو بنگال کو دو حصوں، مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کا بنیادی مقصد انتظامی بہتری تھا، کیونکہ بنگال ایک وسیع و عریض صوبہ تھا، جس کا نظم و نسق چلانا مشکل ہو رہا تھا۔ تاہم، ہندو رہنماؤں نے اسے ہندوؤں کی سیاسی بالادستی کے خلاف ایک سازش قرار دیا اور اس کے خلاف شدید احتجاج شروع کر دیا۔ بالآخر برطانوی حکومت نے 1911 میں بنگال کی تقسیم کو منسوخ کر دیا۔ اس فیصلے نے مسلمانوں میں گہری مایوسی پیدا کی، کیونکہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کو تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی ترقی کے بہتر مواقع مل رہے تھے۔ اس منسوخی نے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ ہندو اکثریت، مسلمانوں کے مفادات کو تسلیم کرنے کے بجائے اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کی خواہاں ہیں۔ یہی احساس آگے چل کر مسلمانوں میں علیحدہ قوم ہونے کے تصور کو مزید تقویت دینے کا باعث بنا اور تحریک پاکستان کے لیے بنیاد فراہم کی۔

7۔ مسلم لیگ کا قیام 1906ء (Establishment of Muslim League):

مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں نواب سلیم اللہ خان کی میزبانی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم لیگ کے قیام کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کرنا، انہیں سیاسی طور پر متحرک کرنا اور برصغیر میں ان کے جداگانہ تشخص کو اجاگر کرنا تھا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کیا اور انہیں اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کی قیادت میں مسلمانوں نے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد اپنے علیحدہ تشخص کو تسلیم کرایا اور برصغیر کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کا قیام عمل میں آیا۔

8۔ انتہا پسند ہندو تنظیموں کا کردار (The Role of Extremist Hindu Organization):

ہندو مہاسبھا نے شدھی اور سنگٹھن جیسے تحریکوں کے ذریعے مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس پس منظر میں، علامہ اقبال اور دیگر مسلم رہنماؤں نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ برصغیر میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ صرف ایک علیحدہ ریاست کے قیام میں ہی ممکن ہے۔

9۔ تحریک خلافت 1919ء (Khilafat Movement 1919):

1919ء میں برصغیر کے مسلمانوں نے خلافت کا ادارہ برقرار رکھنے کے لیے خلافت تحریک کا آغاز کیا، جس کا مقصد خلافت عثمانیہ کے تحفظ اور ترکی کے مسلمانوں کی حمایت تھا۔ یہ تحریک برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور یکجہتی کا ایک مظہر بنی اور انہیں سیاسی جدوجہد کے لیے منظم کیا۔

اگرچہ خلافت تحریک عملی طور پر ناکام رہی اور 1924 میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا، لیکن اس تحریک نے مسلمانوں میں اجتماعی شعور اور سیاسی بیداری کو فروغ دیا۔ اسی تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ شناخت کا مزید احساس ہوا، جو بالآخر قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔

10۔ نہرو رپورٹ 1928ء (Nehru Report 1928):

1928ء میں کانگریس کے رہنما جواہر لال نہرو نے نہرو رپورٹ پیش کی، جس میں برصغیر کے آئندہ سیاسی ڈھانچے کے لیے تجاویز دی گئیں۔ اس رپورٹ میں مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب، مذہبی آزادی، ثقافتی خود مختاری اور دیگر بنیادی مطالبات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا، جبکہ صرف ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کیا گیا۔ اس رویے نے مسلمانوں میں گہری تشویش پیدا کی اور انہیں احساس دلایا کہ ہندو اکثریت کے زیر سایہ ان کے حقوق محفوظ نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ شعور مزید بڑھتا ہوا کہ اگر انہیں اپنی علیحدہ شناخت اور تشخص برقرار رکھنا ہے تو ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔

11۔ قائد اعظم کے 14 نکات (Fourteen Points of Quaid-e-Azam):

نہرو رپورٹ کے جواب میں 28 مارچ 1929 کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنے تاریخی 14 نکات پیش کیے، جن میں مسلمانوں کے سیاسی، مذہبی، ثقافتی اور معاشی حقوق کے تحفظ کا اعادہ کیا گیا۔ یہ نکات درحقیقت نہرو رپورٹ کے متعصبانہ رویے کے جواب تھے اور مسلمانوں کے لیے ایک واضح منشور بن گئے۔ ان نکات نے قیام پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

12۔ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد 1930ء (Allama Iqbal's Address 1930):

1930 میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں، جواہر لال نہرو کے مقام پر منعقد ہوا، علامہ محمد اقبال نے اپنے تاریخی خطبے میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا تصور پیش کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں، جن کا مذہب، ثقافت، تہذیب اور سیاسی نظریہ ہندوؤں سے مختلف ہے، لہذا انہیں اپنی جداگانہ ریاست میں آزادانہ زندگی گزارنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اقبال نے شمال مغربی ہندوستان میں ایک خود مختار مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا، جہاں مسلمان اپنے دینی، ثقافتی اور سیاسی تشخص کو برقرار رکھ سکیں۔ ان کے اس خطبے نے قیام پاکستان کی فکری بنیاد فراہم کی اور برصغیر کے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے مطالبے کو ایک مضبوط نظریاتی جواز دیا۔

13۔ 1937ء کی کانگریسی وزارتیں (Congress Ministries of 1937):

1937ء کے انتخابات کے بعد کانگریس نے مختلف صوبوں میں اپنی وزارتیں قائم کیں، جن کے دور حکومت میں مسلمانوں کو شدید مظالم اور نا انصافیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی ثقافتی اور مذہبی شناخت کو مٹانے کی سازش کے تحت واردہ اور دیا مندر اسکیمیں متعارف کروائی گئیں، جن کے ذریعے مسلم بچوں کو ہندو مذہبی تعلیم دی جانے لگی۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا اور انہیں بڑے پیمانے پر برطرف کیا گیا۔ گائے کے ذبیحے پر پابندی عائد کر دی گئی، بندے ماترم کو قومی ترانہ بنا دیا گیا، اور سرکاری دفاتر میں گاندھی کی تصاویر کو پوجنے جیسے توہین آمیز احکامات جاری کیے گئے۔ اس متعصبانہ طرز حکمرانی نے مسلمانوں میں اپنی شناخت مٹ جانے کا خوف پیدا کیا اور انہیں اس حقیقت کا شدت سے احساس دلایا کہ اگر وہ ہندوؤں کی مستقل غلامی سے بچنا چاہتے ہیں تو ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔

14۔ قرارداد پاکستان 1940ء (Resolution of Pakistan 1940):

23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں، جواہر لال نہرو کے منٹو پارک میں منعقد ہوا، قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس

قرارداد میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا واضح اور دو ٹوک مطالبہ کیا گیا، یہ قرارداد تحریک پاکستان کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوئی، جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک متفقہ سیاسی ہدف دیا اور انہیں قیام پاکستان کی جدوجہد میں متحرک کر دیا۔ یہی وہ تاریخی لمحہ تھا جس نے برطانوی سامراج اور ہندو اکثریتی تسلط کے خلاف مسلمانوں کے علیحدہ وطن کی راہ ہموار کی، اور سات سال کی انتھک جدوجہد کے بعد 14 اگست 1947ء کو پاکستان ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

15۔ 1946ء کے انتخابات (Elections of 1946):

1946ء کے انتخابات برصغیر کی سیاست میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوئے، جن میں آل انڈیا مسلم لیگ نے تاریخی کامیابی حاصل کی۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستوں پر بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی، خصوصاً پنجاب، بنگال، سندھ، اور سرحد میں نمایاں برتری حاصل کر کے خود کو برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ثابت کر دیا۔ اس شاندار کامیابی نے واضح کر دیا کہ برصغیر کے مسلمان ایک علیحدہ وطن کے مطالبے پر متحد ہیں اور وہ کسی بھی طور پر ہندو اکثریت کے تحت زندگی گزارنے کو تیار نہیں۔ ان انتخابات نے قیام پاکستان کے لیے ایک مضبوط جواز فراہم کیا اور انگریزوں کو یہ باور کرایا کہ برصغیر کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔ یوں 1946ء کے انتخابات درحقیقت قیام پاکستان کے لیے ریفرنڈم ثابت ہوئے، جنہوں نے علیحدہ مسلم ریاست کے قیام پر مہر ثبت کر دی، اور محض ایک سال بعد 14 اگست 1947ء کو پاکستان ایک آزاد مملکت کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔



ii تحریک آزادی پاکستان میں بانیان پاکستان کی خدمات

(Contributions of founding fathers of Pakistan
in the Freedom Movement of Pakistan)

برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ تھا، جس میں کئی نامور شخصیات نے اپنی فکری، عملی، اور سیاسی بصیرت سے تحریک کو چلا بخشی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جب مسلمان زوال، پسماندگی، اور استحصال کا شکار ہو گئے، تب کچھ دوراندیش رہنماؤں نے ان کی بیداری اور ترقی کے لیے عملی اقدامات کیے۔ سرسید احمد خان نے تعلیمی اور فکری میدان میں رہنمائی فراہم کی، علامہ اقبال نے ایک علیحدہ مسلم ریاست کا خواب پیش کیا، جبکہ قائد اعظم محمد علی جناح نے اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انتھک جدوجہد کی۔ ان کے ساتھ سید امیر علی، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، لیاقت علی خان، اور چوہدری رحمت علی جیسی عظیم شخصیات نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ ان رہنماؤں نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ، سیاسی شعور کی بیداری، اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں اپنی جان، مال، اور صلاحیتیں وقف کر دیں، جس کے نتیجے میں 14 اگست 1947ء کو برصغیر کے مسلمان ایک آزاد وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ذیل میں ان تمام شخصیات کی خدمات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

سرسید احمد خاں

پس منظر:

1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے مسلمان قوم کو سیاسی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی شعبوں میں پسماندہ رکھ کر ہر لحاظ سے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ اُن کی جائیدادیں اور جاگیریں چھین لی گئیں۔ مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں سے نکال دیا گیا۔ مساجد، مدارس اور مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو بند کر کے مسلمانوں پر عملات تعلیم کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کو معاشی و معاشرتی لحاظ سے کچلتے ہوئے تباہ حال قوم بنا دیا گیا۔

لارڈ رابرٹ (Lord Robert) لکھتے ہیں کہ ”دہلی کے اندر ہر جانب لاشوں کے انبار تھے۔ اتنے مسلمان موت کا نشانہ بنے کہ اُن کے خون سے گھوڑوں کے سُم ڈوب جاتے تھے۔“ سرسید نے اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت زار کو یوں بیان فرمایا: ”کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔“ اُن کو 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کی سزا دی گئی۔ ان بدترین حالات میں مسلمانوں کو ایک ایسے راہنما کی ضرورت تھی جو زوال پذیر مسلم قوم میں بیداری اور شعور کی لہر پیدا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کی حالت کو سنوارنے اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لئے سرسید احمد خان کے روپ میں ایک عظیم المرتبت راہنما بھیجا۔ انہوں نے اپنے رفقاء کا رنواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی چراغ علی کے ساتھ مل کر برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے تعلیمی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تحریک کا علی گڑھ سے آغاز کیا۔ اس تحریک کو ”تحریک علی گڑھ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خاں کی تعلیمی خدمات

سر سید احمد خاں اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ مسلمان قوم کو صرف تعلیم کی مدد سے ہی ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تعلیمی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے دوسری اقوام کے ہم پلہ بنانے کے لئے مغربی جدید علوم کے حصول کا مشورہ دیا اور مسلمانوں کو سائنس، جدید ادب اور معاشرتی علوم کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ تعلیمی سہولتیں بھی فراہم کیں تاکہ وہ ہندوؤں کے مساوی معاشرتی و معاشی درجہ حاصل کر کے اپنی حالت کو سنوار سکیں۔ اس کے لئے انہوں نے درج ذیل تعلیمی و علمی خدمات انجام دیں۔

1۔ مراد آباد میں سکول کا قیام 1859ء:

سر سید احمد خاں نے 1859ء میں مراد آباد میں ایک فارسی سکول قائم کیا۔ مراد آباد سکول میں انگریزی اور فارسی میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سکول میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے بچے بھی زیر تعلیم تھے۔

2۔ غازی پور میں سکول کا قیام 1862ء:

1862ء میں سر سید احمد خاں نے غازی پور میں سکول کی بنیاد رکھی۔ اس سکول میں اردو، عربی، فارسی کے علاوہ اسلامیات اور انگریزی کو بطور لازمی مضمون پڑھایا جاتا تھا۔ مدرسہ غازی پور بعد میں وکٹوریہ سکول میں مدغم کر دیا گیا۔

3۔ سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام 1863ء:

سر سید احمد خاں نے 1863ء میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی۔ اس سوسائٹی کا مقصد مغربی زبانوں میں لکھی گئی کتب کے اردو زبان میں تراجم کرانا تھا تاکہ مسلمان جدید مغربی علوم سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اس سوسائٹی نے دنیا کی بہترین کتابوں کے ترجمے کر کے اردو زبان میں منتقل کئے۔ سوسائٹی کی بدولت اردو زبان کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔

4۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجراء 1866ء:

انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین اختلافات کو ختم کرنے اور برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی و معاشی ترقی کی راہیں ہموار کرنے کے لیے سر سید احمد خاں نے 30 مارچ 1866ء کو علی گڑھ سے ایک رسالہ ”علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ“ جاری کیا۔ اس رسالے میں اعلیٰ پائے کے سائنسی، علمی، ادبی اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔

5۔ انجمن حمایت اردو کا قیام:

1867ء میں پیدا ہونے والے اردو ہندی تنازعہ کے بعد سر سید احمد خاں نے اردو زبان کے تحفظ اور فروغ کے لئے ”انجمن حمایت اردو“ اور ”انجمن ترقی اردو“ کے نام سے انجمنیں قائم کیں۔

6۔ انجمن ترقی مسلمانان ہند کا قیام 1870ء:

دسمبر 1870ء میں انگلستان سے واپسی پر سر سید احمد خاں نے ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک تنظیم ”انجمن ترقی مسلمانان ہند“ کے نام سے قائم کی۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا تھا تاکہ وہ جدید علوم سے مستفید ہو کر ہندو اور انگریز کی سازشوں کا مقابلہ کر سکیں۔ نیز مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے فنڈز اکٹھے کرنے کے لئے اس تنظیم کے تحت مجڈن فنڈ کمیٹی قائم کی گئی۔

7۔ ایم اے اوہائی سکول کا قیام 1875ء:

سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو جدید علوم سے بہرہ ور کرنے کے لئے 1875ء میں علی گڑھ میں ایم اے اوہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ اس سکول میں طلباء کو مشرقی اور مغربی علوم دونوں پڑھائے جاتے تھے۔

8۔ ایم اے اوکالج کا قیام 1877ء:

ایم اے اوہائی سکول کو 1877ء میں درجہ دے کر ایم اے اوکالج علی گڑھ بنادیا گیا۔ اس کالج کا افتتاح 8 جنوری 1877ء کو وائسرائے ہند لارڈ لٹن نے کیا۔ اس کالج میں دنیاوی اور سائنسی علوم کے علاوہ دینی علوم کی تدریس کا بھی اہتمام تھا۔ یہ کالج سر سید احمد خان کی تعلیمی خدمات کا سب سے بڑا نمونہ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ کالج 1920ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ اختیار کر گیا۔ آرچ بولڈ، آرنلڈ اور مورسین جیسے شہرہ آفاق انگریز اساتذہ اس کالج سے وابستہ رہے۔

9۔ جدید ترین نصاب کا نفاذ:

سر سید نے اپنے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی اداروں میں جدید ترین مغربی نصاب رائج کیا۔ نصاب کی تشکیل و تدوین کے لئے انہوں نے انگریز اساتذہ کی خدمات حاصل کی اور علی گڑھ میں مغربی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مشرقی تعلیم کی تدریس کو بھی جاری رکھا۔

10۔ محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام 1886ء:

1886ء میں سر سید نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی حقوق کے تحفظ کے لئے اس تنظیم نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ مسلم قوم کی تعلیمی ضرورتوں کے لئے فنڈز کی فراہمی میں بھی اس ادارے نے بڑی مدد دی۔ محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ہندوستان کے دور دراز اور پسماندہ علاقوں میں کانفرنسوں کا انعقاد کر کے مسلمانوں میں حصول تعلیم کا شوق پیدا کرنے کی ترغیب دیتی تھی۔ اسی کانفرنس کے 1906ء کے سالانہ اجلاس منعقدہ ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔

تیرے مقام کو اختر شناس کیا جانے

کہ خاک زندہ ہے تو، تابع ستارہ نہیں

(اقبال)

سر سید احمد خاں کی سیاسی خدمات

سر سید احمد خان نے ہر شعبہ زندگی میں مسلم قوم کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ اگرچہ آپ نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے کی تلقین کی لیکن اس کے باوجود سر سید احمد خاں نے مسلم قوم کے سیاسی مفادات اور مقاصد کے حوالے سے کبھی غفلت نہیں برتی بلکہ مسلمان قوم کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے جو ممکن ہوا وہ کیا۔

1۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند:

جنگ آزادی کی تمام تر ذمہ داری انگریزوں نے مسلمانوں پر ڈال دی۔ ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب میں 1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کو اس کا سب سے بڑا ذمہ دار قرار دیا۔ سر سید احمد خان نے انگریزوں کی غلط فہمی کو دور کرنے اور حقائق کو سامنے لانے کے لئے 1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب پر 1858ء میں ایک رسالہ ”اسباب بغاوت ہند“ کے نام سے لکھا۔ اس رسالے میں جنگ آزادی کے

بنیادی اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے سرسید احمد خان نے کہا کہ جنگ آزادی کے ذمہ دار صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ برصغیر کی دیگر اقوام کے ساتھ ساتھ انگریز بذات خود بھی ہیں۔

2۔ ہندو مسلم اتحاد کے داعی:

سرسید احمد خان ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ انہوں نے دونوں قوموں کو ایک دوسرے کی قریب لانے کی مسلسل کوششیں کیں انہوں نے نہ صرف اپنے تعلیمی اداروں میں ہندو طلباء کو داخلہ دیا بلکہ ان اداروں میں ہندو اساتذہ کو بھی بھرتی کیا۔

3۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کا قیام 1866ء:

ہندوستانی عوام کے سیاسی حقوق اور برطانوی حکومت کو ہندوستانی عوام کی رائے سے آگاہ کرنے کے لیے سرسید احمد خان نے 1866ء میں ایک تنظیم ”برٹش انڈین ایسوسی ایشن“ کی بنیاد رکھی۔ اس تنظیم کے پہلے صدر ایک ہندو راجہ جے کشن داس اور سیکرٹری سرسید احمد خان تھے۔ اس تنظیم نے ہندوستانی عوام کے مسائل حکومت وقت تک پہنچائے اور ہندوستانی عوام کے سیاسی مفادات کی حفاظت کے لیے بہتر انداز میں کام کیا۔

4۔ اردو ہندی تنازعہ 1867ء:

1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ اس تنازع سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ اردو ہندی تنازعہ نے ہندوؤں کے متعلق سرسید احمد خان کی سوچ اور عمل کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ ہندوؤں کی اس حرکت سے آپ کو بہت شدید دکھ ہوا۔ آپ نے اردو زبان کے تحفظ کے لئے ایسوسی ایشن بنائی اور کئی اہم اقدامات کیے۔ بنارس کے کمشنر مسٹر شیکپٹر کو سرسید نے بتایا کہ اردو ہندی تنازعہ ہندو مسلم اتحاد کو ختم کر دے گا اور دونوں قوموں کے مابین اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو جائے گی۔

5۔ دو قومی نظریہ کے بانی:

1867ء کے اردو ہندی تنازعہ نے سرسید احمد خان پر خاصا اثر ڈالا اور انہوں نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر برصغیر کے سیاسی اور دیگر مسائل کا حل تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ سرسید احمد خان پہلے مسلمان سیاسی رہنما تھے جنہوں نے سب سے پہلے ”دو قومی نظریہ“ کی اصطلاح استعمال کی۔ سرسید احمد خان کی سیاسی حکمت عملی کی بنیاد دو قومی نظریہ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم ثابت کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان جدا گانہ ثقافت، رسوم و رواج اور مذہب کے حامل ہونے کے ناطے ہر لحاظ سے ایک مکمل قوم کا درجہ رکھتے ہیں۔

6۔ لوکل کونسلوں میں مسلم نمائندگی:

مسلمانوں کی علیحدہ قومی حیثیت کے حوالے سے سرسید احمد خان نے لوکل کونسلوں اور قانون ساز اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لئے نشستیں مخصوص کروائیں۔ خود سرسید 1878ء سے 1882ء تک قانون ساز اسمبلی کے رکن رہے۔ رکن کی حیثیت سے آپ نے البرٹ بل کی مخالفت کی۔

7۔ پارلیمانی طرز حکومت کی مخالفت:

سرسید احمد خان نے اکثریت کی مرضی کے تحت قائم ہونے والی حکومت کے نظام کی سخت مخالفت کی۔ کیونکہ آپ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ پارلیمانی طرز حکومت میں ہندو اکثریت غالب آ کر مسلمانوں کو عتاب کا نشانہ بنائے گی۔ سرسید کی مخالفت کی وجہ سے برطانوی حکومت ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت رائج کرنے سے باز رہی۔

8۔ سیاست سے اجتناب کا مشورہ:

سر سید احمد خاں کی دوراندیش نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کے مفادات کی تحفظ کرنے والی جماعت ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت اور سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ کانگریس میں شمولیت سے مسلمانوں کے مفادات کو زبردستی پہنچ سکتی تھی۔

9۔ مقابلے کے امتحان کے مخالف:

کانگریس کا مطالبہ تھا کہ اعلیٰ ملازمتوں کے لئے مقابلے کے امتحان کا انعقاد کیا جائے۔ سر سید احمد خاں نے اس مطالبہ کی بھرپور مخالفت کی کیونکہ مسلمان تعلیمی میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے تھے۔ اُن کی خواندگی کی شرح انتہائی کم تھی۔ سر سید احمد خاں نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ مقابلے کا امتحان نہ لیا جائے کیونکہ اس طرح برصغیر کی دوسری بڑی قوم کے افراد کے حقوق متاثر ہوں گے۔

10۔ محمدن ڈیفنس ایسوسی ایشن کا قیام:

مسلم مفادات کے تحفظ کے لئے سر سید احمد خاں نے ”محمدن ڈیفنس ایسوسی ایشن“ قائم کی۔ اس ایسوسی ایشن نے مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت کو منوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

11۔ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ:

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا تھا تا کہ مسلمان ہندوؤں کے غلبہ سے محفوظ رہ سکیں۔

12۔ حکومت سے تعاون کی پالیسی:

انگریزی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرانے کے لیے سر سید احمد خاں نے مفاہمت اور تعاون کی پالیسی اختیار کی۔ انہوں نے رسالہ اسباب بغاوت ہند تحریر کر کے مسلمانوں کی صحیح عکاسی کی اور انگریز حکومت کو مسلمانوں کی وفاداریوں کا یقین دلاتے ہوئے ملک میں بہتر حالات پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

13۔ سیاسی قیادت کی فراہمی:

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو سیاسی قیادت فراہم کی جس کی راہنمائی میں مسلمانان ہند اپنی علیحدہ، آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کے حصول میں سرخرو ٹھہرے۔ علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلباء نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

14۔ مسلم لیگ کا قیام:

محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس 1906ء منعقدہ ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہی جماعت 1947ء میں پاکستان کی خالق جماعت بنی۔ اس طرح تحریک علی گڑھ نے تحریک پاکستان کی ابتداء میں کلیدی کردار ادا کیا۔

سر سید احمد خاں کی سماجی خدمات

1۔ مراد آباد میں یتیم خانہ کا قیام:

سر سید احمد خاں نے مراد آباد میں مسلم یتیم بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے لئے ایک یتیم خانہ قائم کیا۔ اس یتیم خانے کا بنیادی مقصد مسلمان یتیم بچوں کو عیسائی مشنری اداروں کے شکنجے سے بچانا تھا کیونکہ بہت سے عیسائی مشنری ادارے مسلمان بچوں کو عیسائی بنا رہے تھے۔

2۔ عیسائی مسلم مفاہمت کی کوششیں:

سر سید احمد خان نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرانے اور مفاہمت کے لئے بھرپور کوششیں کیں۔ سر سید احمد خان کے نقطہ نظر کے مطابق انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا ہندو بہت زیادہ فائدہ اٹھا رہے تھے۔

3۔ ملازمتوں کا حصول:

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے جس سے مسلمان معاشی پسماندگی کا شکار ہو گئے۔ سر سید احمد خان نے انگریزوں کے مسلمانوں کے بارے میں پائے جانے والے نظریات کو تبدیل کرنے کے لئے مختلف کتب تحریر کیں۔ مسلمانوں کے بنیادی حقوق کے حصول کے لئے اعلیٰ برطانوی حکام سے بذات خود ملاقاتیں کیں۔ بالآخر مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے دوبارہ کھولنے کی راہ ہموار کر دی۔

4۔ لائل محمد نژاد آف انڈیا:

سر سید احمد خان نے ”لائل محمد نژاد آف انڈیا“ کے نام سے ایک کتاب تحریر کی جس میں آپ نے انگریزوں کو مسلمانوں کی خدمات کا احساس دلاتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں نے ہی انگریزوں کو برصغیر میں تجارت کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس کتاب کے ذریعے آپ نے انگریزوں کو مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک اور بہتر رویہ رکھنے پر آمادہ کیا۔

5۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند:

سر سید احمد خان نے 1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب معلوم کرنے کے لیے ”رسالہ اسباب بغاوت ہند“ لکھا اور اس کا اہم سبب انگریزوں کو مسلمانوں کی ثقافت سے لاعلمی قرار دیا۔ سر سید نے اس رسالہ کی 500 کاپیاں چھپوا کر برطانوی پارلیمنٹ کے اراکین اور دیگر زعماء میں تقسیم کروائیں۔ اس رسالہ نے مسلمانوں کی سماجی اور معاشرتی حالت سنوارنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

سر سید احمد خاں کی مذہبی و ادبی خدمات

سر سید احمد خان اعلیٰ ماہر تعلیم، نامور سیاسی اور سماجی راہنما ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے ادیب اور انشاء پرداز بھی تھے۔ خوش قسمتی سے اُن کو بہت اچھے دانشور ساتھیوں کا ساتھ نصیب ہوا۔ سر سید احمد خان نے ادب کو قومی ترقی کا ذریعہ بناتے ہوئے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔

1۔ خطبات احمدیہ:

سر سید نے انگریز مصنف ولیم میور کی کتاب ”لائل آف محمد ﷺ“ کے جواب میں ”خطبات احمدیہ“ لکھ کر حضور اکرم ﷺ پر اُٹھائے گئے منفی سوالات کا جواب منطقی دلائل کے ساتھ پیش کیا۔

2۔ قرآن پاک کی تفسیر:

سر سید نے سات جلدوں پر مشتمل قرآن پاک کی تفسیر تحریر کی جس میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی تعلیمات ہر لحاظ سے جدید سائنسی نظریات سے مطابقت رکھتی ہیں اور اسلام، عقل، سائنس اور فطرت کے عین مطابق ہے۔

3۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب:

سر سید احمد خان نے ایک رسالہ ”احکام طعام اہل کتاب“ کے نام سے شائع کیا جس میں انہوں نے اہل کتاب یعنی انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا قرآن و سنت کی روشنی میں جائز قرار دیا۔

4۔ رسالہ تہذیب الاخلاق:

سر سید احمد خان نے مسلم معاشرے کی رسوم و رواج اور روایات و اقدار کا احیاء کرتے ہوئے ایک رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ کے نام سے شائع کرنا شروع کیا۔ اس میں شائع ہونے والے علمی اور ادبی مضامین کے سبب مسلمان مغرب کی معاشرتی اور تہذیبی اقدار سے محفوظ رہے اور مغربی ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوئے۔

5۔ آثار الصنادید:

مسلمانوں کو ان کے ثقافتی اور تہذیبی ورثہ سے روشناس کرانے کے لئے سر سید احمد خان نے 1846ء میں ”آثار الصنادید“ جیسی تحقیقی کتاب لکھی۔ جس میں دہلی کی مشہور مسلم تاریخی عمارتوں پر روشنی ڈالی گئی۔

6۔ تبیین الکلام:

سر سید احمد خان نے 1862ء میں بائبل کی تفسیر ”تبیین الکلام“ کے نام سے لکھی جس میں عیسائیت اور اسلام میں ہم آہنگی اور مطابقت کو بیان کر کے انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی کوشش کی گئی۔

7۔ آئین اکبری کی از سر نو اشاعت:

سر سید احمد خان نے 1885ء میں مغل بادشاہ اکبر اعظم کے درباری مصنف الفضل کی کتاب ”آئین اکبری“ کو نئے سرے سے ترتیب دے کر شائع کیا۔

8۔ تاریخ سرکشی بجنور:

سر سید احمد خان نے 1857ء کی جنگ آزادی کے حالات و واقعات کا ذکر کرتے ہوئے 1858ء میں ”تاریخ سرکشی بجنور“ نامی کتاب لکھی۔

9۔ تزک جہانگیری کا ترجمہ:

سر سید احمد خان نے مغل بادشاہ جہانگیر کی کتاب ”تزک جہانگیری“ کا اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ترجمہ کیا۔

10۔ سر سید احمد خان اور ان کے دانشور رفقاء کار:

سر سید احمد خان کو اعلیٰ پائے کے دانشور سمجھے جاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی تحریروں سے ادبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ ان ادیبوں کے نام اور ان کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

- | | |
|---|---------------------------|
| سیرت النبی ﷺ۔ الفاروق۔ الغزالی۔ المامون | (1) مولانا شبلی نعمانی |
| مراۃ العروس۔ توبۃ النصوح۔ ابن الوقت | (2) مولانا ڈپٹی نذیر احمد |
| مسدس حالی۔ موازنہ دبیر و انیس۔ دیوان حالی۔ حیات جاوید | (3) مولانا حالی |

تحریک آزادی پاکستان میں علامہ اقبالؒ کی خدمات

تحریک آزادی پاکستان میں علامہ محمد اقبالؒ کا کردار انتہائی اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف ایک عظیم فلسفی، شاعر اور مفکر تھے بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی اور فکری رہنما بھی تھے۔ ان کی فکری رہنمائی نے تحریک پاکستان کو ایک نظریاتی بنیاد فراہم کی، جس کی بدولت برصغیر کے مسلمان ایک علیحدہ ریاست کے قیام کی جانب گامزن ہوئے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی علیحدہ شناخت کو اجاگر کیا، دوقومی نظریہ کی وضاحت کی، مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنی خدمات سرانجام دیں، خطبہ الہ آباد میں قیام پاکستان کا تصور پیش کیا، خودی کے فلسفے سے مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کی، اور اپنی شاعری کے ذریعے آزادی کے جذبے کو پروان چڑھایا۔ سیل میں علامہ محمد اقبالؒ کی تحریک آزادی پاکستان میں انجام دی گئی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

1۔ مسلمانوں کی علیحدہ شناخت کے داعی:

علامہ اقبالؒ برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دیتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ تہذیبوں، مذہبی عقائد، رسم و رواج اور ثقافتی روایات کے حامل ہیں۔ انہوں نے دوقومی نظریہ کی بنیاد فراہم کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے تسلط سے نکالنے کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کا یہ نظریہ آگے چل کر قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔

2۔ مسلم لیگ کی برطانوی شاخ میں شمولیت:

1905ء میں علامہ اقبالؒ اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ روانہ ہوئے، جہاں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈگری حاصل کی اور پھر جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس دوران 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ چونکہ اس وقت وہ لندن میں موجود تھے، اس لیے انہوں نے وہاں قائم مسلم لیگ کی برٹش برانچ میں شمولیت اختیار کر لی اور مسلمانوں کے مسائل پر گہری نظر رکھنی شروع کی۔ 1908ء میں جب وہ ہندوستان واپس آئے تو یہاں کی سیاسی صورت حال کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے لگے۔

3۔ عملی سیاست میں حصہ:

ابتدائی طور پر علامہ اقبالؒ براہ راست سیاست میں سرگرم نہیں تھے، بلکہ ایک مفکر اور شاعر کے طور پر قوم کی رہنمائی کر رہے تھے۔ تاہم، 1926ء میں انہوں نے باقاعدہ طور پر سیاست میں قدم رکھا اور پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اسی دوران وہ آل انڈیا مسلم لیگ سے بھی وابستہ ہوئے اور مسلمانوں کے حقوق کے لیے کام کرنے لگے۔ وہ مسلم لیگ کے ایک اہم فکری رہنما بن کر ابھرے۔

4۔ خطبہ الہ آباد 1930: پاکستان کے تصور کی وضاحت:

29 دسمبر 1930 کو الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے اپنے صدارتی خطاب میں پہلی بار ایک علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔ ”میری خواہش ہے کہ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کو ایک واحد مسلم ریاست میں ضم کر دیا جائے۔ یہ مسلمانوں کا فطری حق ہے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کے طور پر اپنی شناخت قائم کریں۔“ یہی وہ نظریہ تھا جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک واضح منزل دی اور تحریک پاکستان کی راہ ہموار کی۔

بطور ممبر صوبائی اسمبلی کردار:

1926ء میں علامہ اقبال کو پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کا رکن منتخب کیا گیا۔ اسمبلی میں انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کے مسائل کے حل کے لیے آواز بلند کی۔ انہوں نے تعلیم، معیشت اور مذہبی آزادی سے متعلق کئی اہم معاملات پر تقریریں کیں اور قراردادیں پیش کیں۔

سائنس کمیشن اور اقبال کا نقطہ نظر:

1928ء میں برطانوی حکومت نے سائنس کمیشن تشکیل دیا تاکہ ہندوستان میں آئینی اصلاحات پر غور کیا جاسکے۔ تاہم، اس کمیشن میں کوئی ہندوستانی نمائندہ شامل نہیں تھا، جس کے باعث تمام ہندوستانی جماعتوں نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کمیشن کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں کوئی بھی آئینی اصلاح مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو مد نظر رکھے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

گول میز کانفرنس اور دو قومی نظریہ کی وضاحت:

1930ء سے 1932ء تک لندن میں تین گول میز کانفرنس منعقد ہوئیں جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت کی۔ یہاں انہوں نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کی اہمیت کو اجاگر کیا اور دو قومی نظریہ کو واضح طور پر پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں کوئی بھی آئینی اصلاح مسلمانوں کے تحفظ کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط اور جناح کی واپسی:

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں مسلم لیگ زوال پذیر ہو چکی تھی اور قائد اعظم محمد علی جناح سیاست سے کنارہ کش ہو کر انگلینڈ چلے گئے تھے، اس وقت علامہ اقبال نے انہیں بار بار خطوط لکھے اور مسلمانوں کے سیاسی حالات کی سنگینی کا احساس دلایا۔ انہوں نے قائد اعظم سے درخواست کی کہ وہ واپس آ کر مسلم لیگ کی قیادت سنبھالیں کیونکہ صرف وہی مسلمانوں کو ایک متحد قیادت فراہم کر سکتے تھے۔ انہی خطوط کے نتیجے میں قائد اعظم نے 1934ء میں ہندوستان واپس آ کر مسلم لیگ کی قیادت دوبارہ سنبھالی، جو قیام پاکستان کے لیے ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا۔

خودی کا تصور اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری:

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ خودی کو فروغ دیا، جو دراصل مسلمانوں کو اپنی پہچان، خود اعتمادی اور خود انحصاری کا درس دیتا تھا۔ ان کے مطابق، مسلمان جب تک اپنی حقیقی طاقت اور شناخت کو نہیں پہچانیں گے، وہ غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ فلسفہ خودی نے نوجوان نسل میں آزادی کی تڑپ پیدا کی اور انہیں اپنے حقوق کے لیے کھڑا ہونے کا حوصلہ دیا۔

تحریک پاکستان میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا کردار:

اقبال کی شاعری برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک انقلابی پیغام تھی۔ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور انہیں ان کے شاندار ماضی کی یاد دلائی۔ ان کی نظمیں ”شکوہ“، ”جواب شکوہ“، ”طلوع اسلام“، ”ساقی نامہ“، ”خضر راہ“ اور ”بانگ درا“ مسلمانوں میں جذبہ حریت پیدا کرنے کا سبب بنیں۔

قومیت کی تشکیل کے بارے میں اقبال کا نظریہ:

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قومیت کی بنیاد مذہب تھی، نہ کہ جغرافیہ، رنگ یا نسل۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام مسلمانوں کو ایک امت میں جوڑنے والی

سب سے بڑی قوت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کے قیام پر زور دیتے رہے تاکہ وہ اسلامی اقدار کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اور ان کے خواب کی تعبیر

21 اپریل 1938ء کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن ان کے خیالات، نظریات اور خواب بعد میں قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں حقیقت میں ڈھل گئے۔ ان کی پیش کردہ فکری بنیادوں پر پاکستان کا قیام ممکن ہوا، اور آج بھی ان کی تعلیمات قوم کے لیے مشعل راہ ہیں۔

تحریک آزادی پاکستان میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات

یہ بات اس لمحہ زوال کی ہے جب ہندوستان کی مسلمان قوم بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہی تھی۔ ایک طرف انگریزی حکومت تھی جو مسلمانوں کے معاملہ میں کبھی بھی انصاف پسند تو کیا غیر جانبدار بھی نہیں رہی۔ وہی اس کی لڑاؤ بھڑاؤ کی پالیسی جاری تھی۔ دوسری طرف کانگریس اور ہندو مہاسبھا تھی جو اکثریت کے پردے میں ہندو راج قائم کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی اور مسلمانوں کو محکوم بنا کر رکھنا چاہتی تھی۔ ان مخالف قوتوں کا سامنا کرنے کے لیے وقت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کی قیادت ایسے شخص کے پاس ہو جس میں اتنا حوصلہ ہو کہ ہندوؤں اور انگریزوں سے چوکھی لڑائی لڑ سکتا ہو۔ ان حالات میں رحمت خداوندی کی مسلمانوں پر خاص نگاہ کرم ہوئی۔ ان کو ایک ایسا راہنما میسر آیا جس نے بکھری ہوئی قوم کو اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کا سبق دیتے ہوئے ان کو ایک جھنڈے تلے متحد کیا اور مسلمانوں کی سیاست کی کشتی کو منجھدار سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچا دیا۔ وہ عظیم شخصیت مسلمانان ہند کے عظیم قائد محمد علی جناح تھے۔

تیرے مقام کو اختر شناس کیا جانے
کہ خاک زندہ ہے تو، تابع ستارہ نہیں
(اقبال)

ابتدائی زندگی اور تعلیم:

قائد اعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں جناح پونجا کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سندھ مدرستہ الاسلام کراچی سے حاصل کی۔ میٹرک کی تعلیم مکمل کر کے نومبر 1892ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور انگلستان کی مشہور درس گاہ ”لنکنز ان“ (Lincoln's inn) میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ صرف بیس سال کی عمر میں بیرسٹر بن کر جولائی 1896ء میں وطن واپس لوٹے اور کراچی میں وکالت شروع کر دی۔ کراچی میں وکالت زیادہ چل نہ سکی تو 1897ء میں ممبئی تشریف لے گئے اور وہاں قانون کی پریکٹس شروع کر دی۔ 1900ء میں ممبئی پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مجسٹریٹ کی ملازمت ختم ہونے پر دوبارہ وکالت شروع کر دی اور بہت کم عرصے میں ممبئی کے چوٹی کے وکلاء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

سیاسی زندگی کا آغاز:

محمد علی جناح نے باقاعدہ ہندوستانی سیاست کا آغاز کرتے ہوئے 1905ء میں کانگریس کی رکنیت اختیار کی اور 1906ء میں کانگریس کے اجلاس میں پہلی بار شرکت کی۔ نومبر 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات کے تحت ہونے والے جداگانہ انتخابات میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

مسلم لیگ میں شمولیت:

مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن کے پرزور اصرار پر آپ نے 1913ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد آپ کی مشاورت سے مسلم لیگ کے دستور میں کئی بنیادی تبدیلیاں کی گئیں۔

میں قیام لکھنؤ:

31 دسمبر 1916ء کو قائد اعظم کی کوششوں سے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ”لکھنؤ پیکٹ“ کے نام سے ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کی رو سے قائد اعظم نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے حق کو کانگریس سے تسلیم کر لیا نیز مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر منوایا۔ ہندو مسلم اتحاد کی ان کوششوں کی بناء پر مسز سرجی نائیڈو اور کرشن گھوکھلے نے آپ کو ”ہندو مسلم اتحاد کا سفیر“ کے خطاب سے نوازا۔

ہوم رول لیگ میں شمولیت:

1916ء میں قائد اعظم نے انڈیا ہوم رول لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اس کی بمبئی شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔ 1917ء میں انگلستان جا کر آپ نے وزیر برائے امور ہند کے سامنے ہندوستان کے لیے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ پیش کیا۔ آپ نے 25 اکتوبر 1920ء کو ہوم رول لیگ سے استعفیٰ دے دیا کیونکہ گاندھی نے آل انڈیا ہوم رول لیگ کا صدر بننے ہی اس کا آئین تبدیل کر دیا۔ رولٹ ایکٹ کی مخالفت اور مرکزی قانون ساز کونسل سے استعفیٰ:

1919ء میں سرسڈنی رولٹ نے پولیس سے متعلق ایک نیا قانون مرکزی قانون ساز کونسل میں پیش کیا جس کے تحت مقدمہ چلائے بغیر ہندوستانیوں کو نظر بند کیا جاسکتا تھا۔ قائد اعظم نے اس قانون کی شدید مخالفت کی۔ رولٹ ایکٹ کے پاس ہونے پر 28 مارچ 1919ء کو آپ نے احتجاجاً مرکزی قانون ساز کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔ کانگریس سے علیحدگی:

قائد اعظم با اصول اور دستوری سیاست کے قائل تھے اور کانگریس کی احتجاجی سیاست اور پر تشدد ہتھکنڈوں کے مخالف تھے۔ نیز گاندھی نے ہوم رول لیگ کے آئین میں تبدیلی کر کے جو بے اصولی کی تھی اس بات سے ناراض ہو کر آپ نے 20 دسمبر 1920ء کو کانگریس کو خیر باد کہہ دیا۔ سائمن کمیشن کی مخالفت:

ہندوستان کے لیے آئینی اصلاحات مرتب کرنے کے لیے 1927ء میں سرجان سائمن کی سربراہی میں ایک کمیشن ہندوستان آیا۔ قائد اعظم نے اس کمیشن کی بھرپور مخالفت کی کیونکہ اس میں کوئی بھی ہندوستانی شامل نہ تھا۔ آپ کے خیال میں ایسا کمیشن ہندوستان کے سیاسی حالات کا کیا جائزہ لے گا جس کے سارے رکن انگریز ہیں۔

تجاویز دہلی:

موتی لال نہرو نے قائد اعظم سے کہا کہ اگر مسلم لیگ جداگانہ انتخاب کے مطالبے سے دستبردار ہو جائے تو کانگریس مسلمانوں کے دوسرے تمام مطالبات تسلیم کر لے گی۔ چنانچہ قائد اعظم نے جداگانہ انتخاب سے دستبرداری کے عوض 1927ء میں تجاویز دہلی پیش کیں لیکن کانگریس نے ان تجاویز کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

نہرو رپورٹ کی مخالفت:

1928ء میں نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی جس میں ہندوؤں کے مفادات اور مقاصد کو تحفظ دیا گیا جبکہ مسلمانوں کے مفادات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ قائد اعظم نے نہرو رپورٹ کی کھل کر مخالفت کی اور کہا کہ اب مسلمانوں اور ہندوؤں کے راستے جدا جدا اور الگ ہو گئے ہیں۔

قائد اعظم کے چودہ نکات:

28 مارچ 1929ء کو دہلی میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قائد اعظم نے مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات پر مشتمل چودہ نکات پیش کیے۔ ان نکات نے مسلمانوں کو ان کی اصلی منزل ”پاکستان“ کی راہ دکھائی۔ پہلی بار مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے اتنے جامع مطالبات پیش کیے گئے۔

گول میز کانفرنس میں شرکت:

ہندوستان کے سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے 1930ء سے 1932ء تک تین گول میز کانفرنسیں لندن میں بلائیں۔ پہلی دو کانفرنسوں میں قائد اعظم نے شرکت کی اور کانفرنس کے شرکاء کو مسلمانوں کے نقطہ نظر سے آگاہ کیا۔

انگلستان میں مستقل سکونت:

گاندھی اور کانگریس کی متعصبانہ سیاست اور برطانوی حکومت کی غیر سنجیدگی نے قائد اعظم کو ہندوستان کی سیاسی صورتحال سے بہت مایوس کر دیا تو قائد اعظم نے جون 1931ء میں انگلستان میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور برطانوی پریوی کونسل میں وکالت شروع کر دی۔

قائد اعظم کی ہندوستان واپسی:

1931ء میں مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہو گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کیمپ ہی تبدیل کر ڈالا۔ مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان حالات میں قومی قیادت کی کمی بری طرح محسوس کی جانے لگی۔ علامہ اقبال نے قائد اعظم کو لندن سے بلانے کے لیے کئی خطوط لکھے۔ بالآخر جولائی 1933ء میں لیاقت علی خان قائد اعظم کو واپس ہندوستان لانے کے لیے لندن گئے اور انہیں وطن واپسی پر راضی کیا چنانچہ اپریل 1934ء میں قائد اعظم ہندوستان واپس آئے۔

مسلم لیگ کی تنظیم نو:

قائد اعظم نے وطن واپس آ کر 4 مارچ 1934ء کو دہلی میں مسلم لیگ کا اجلاس طلب کیا اور دونوں گروہوں کو متحد کیا۔ آپ کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ صدر منتخب ہونے کے بعد قائد اعظم نے مسلم لیگ کو مقبول عوامی جماعت بنانے کے لیے ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں کے طوفانی دورے کیے اور بنگال، پنجاب، کلکتہ کی بڑی بڑی نامور مسلمان شخصیتوں کو مسلم لیگ میں شامل کیا۔ آپ کی کوششوں سے مختصر عرصے میں مسلم لیگ ایک عوامی جماعت کی حیثیت اختیار کر گئی۔

1937 کے انتخابات:

1935ء کے آئین کے تحت 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ نے 482 مسلم نشستوں میں سے 102 پر کامیابی حاصل کی جبکہ کانگریس نے صرف 26 مسلم نشستیں حاصل کیں۔ ان انتخابات نے کانگریس کے اس دعویٰ کی نفی کر دی کہ وہ مسلمانوں کی بھی نمائندہ

جماعت ہے۔

کانگریسی وزارتیں اور یوم نجات:

1937ء کے انتخابات میں کامیاب ہو کر کانگریس نے سات صوبوں میں وزارتیں قائم کیں۔ کانگریسی وزارتوں کے عہد میں مسلمانوں پر بہت مظالم کیے گئے۔ 1939ء میں کانگریس نے ناراض ہو کر دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کی شمولیت کو وجہ بنا کر وزارتوں سے استعفیے دے دیئے تو قائد اعظم نے 22 دسمبر 1939ء کو مسلمانوں کو ”یوم نجات“ منانے کی تلقین کی۔ اس اقدام سے کانگریس مزید رسوا ہوئی اور مسلم لیگ کا وقار بلند ہوا۔

قرارداد پاکستان 1940ء:

23 مارچ 1940ء کو قائد اعظم کی صدارت میں مسلم لیگ نے قرارداد لاہور کے ذریعے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ پیش کیا۔ اس مطالبے نے مسلمانان ہند کے مسلمانوں کی منزل ”پاکستان“ کا تعین کر دیا۔

شملہ کانفرنس:

1945ء میں برطانوی حکومت نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کرانے کے لیے شملہ کانفرنس کا انعقاد کرایا۔ شملہ کانفرنس میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں مسلم نمائندگی کے مسئلہ پر کانگریس اور مسلم لیگ میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ قائد اعظم کا موقف تھا کہ انتظامی کونسل میں پانچ مسلم وزارتوں پر پانچوں مسلم وزراء کو مسلم لیگ ہی نامزد کرے گی جبکہ کانگریس چاہتی تھی کہ ایک مسلم نشست اسے ملے۔ قائد اعظم اس بات پر ڈٹ گئے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

عام انتخابات 1945-46ء:

1945-46ء میں جداگانہ بنیادوں پر مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں انتخابات منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کی تیس کی تیس مسلم نشستیں جیت کر 100 فیصد اور صوبائی اسمبلیوں کی 495 مسلم نشستوں میں سے 446 نشستیں جیت کر تقریباً 90 فیصد کامیابی کی۔ ان انتخابات نے قائد اعظم کے اس موقف کی صداقت کا ثبوت فراہم کر دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

کابینہ مشن:

1945-46ء کے عام انتخابات کے بعد برصغیر کے سیاسی مسائل کے حل کے لیے برطانوی حکومت نے برطانوی کابینہ کے تین وزراء پر مشتمل ”کابینہ مشن“ مارچ 1946ء میں برصغیر بھیجا۔ کابینہ مشن نے ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں سے طویل مذاکرات کیے۔ مسلم لیگ نے برصغیر کے تمام مسائل کا واحد حل برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کو قرار دیا جبکہ کانگریس ہندوستان کی وحدت کی تقسیم کی شدید مخالف تھی۔ قائد اعظم کی کوششوں کی وجہ سے کابینہ مشن مذہبی بنیادوں پر صوبوں کے گروپ تشکیل دینے اور دس سال بعد انہیں علیحدگی کا حق دینے پر تیار ہو گیا۔

یوم راست اقدام:

کابینہ مشن کی تجاویز میں یہ شرط رکھی گئی تھی کہ عبوری حکومت میں شامل ہونے کا حق صرف اس سیاسی جماعت کو دیا جائے گا جو تجاویز کو قبول کرے گی۔ کانگریس نے کابینہ مشن پلان کو مسترد کر دیا جبکہ مسلم لیگ نے منظور کر لیا۔ مسلم لیگ نے پلان کو منظور کر لیا تھا اس لیے وائسرائے کو مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت دینا چاہیے تھا لیکن وائسرائے اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا اور کانگریس کے بغیر عبوری حکومت کی تشکیل پر رضامند نہ ہوا۔ قائد اعظم نے حکومتی وعدہ خلافی پر راست اقدام کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ نے 16 اگست 1946 کو یوم راست اقدام منایا۔ قائد اعظم کے اس اقدام

سے وائسرائے عبوری حکومت میں مسلمانوں کے پانچ نمائندے لینے پر رضامند ہو گیا۔
عبوری حکومت میں شمولیت:

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے حصوں میں جو پانچ وزارتیں آئیں ان میں سے ایک وزارت خزانہ بھی تھی۔ لیاقت علی خان نے وزیر خزانہ کی حیثیت سے فروری 1947ء میں ہندوستان کا پہلا سالانہ بجٹ پیش کیا۔ بجٹ میں سرمایہ داروں، کارخانہ داروں اور تاجروں پر بھاری ٹیکس عائد کر دیا گیا۔ غریبوں کو اس بجٹ میں بہت ریلیف دیا گیا۔ کانگریس نے اس بجٹ پر بہت واویلا مچایا کیونکہ ہندوستانی معیشت پر ہندو سرمایہ داروں کا ہی قبضہ تھا۔ اس صورت حال نے سردار پٹیل اور دیگر کانگریسی لیڈروں کو اس بات پر قائل کر لیا کہ ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہے۔
دستور یہ کامیاب کاٹ اور ہندوستان کی تقسیم:

عبوری حکومت کی تشکیل کے بعد قائد اعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی میں شرکت سے واضح انکار کر دیا۔ قائد اعظم کے اس اقدام سے دستوری ڈیڈ لاک پیدا ہو گیا۔ اس سے برطانوی حکومت کو یقین ہو گیا کہ پاکستان کا قیام ناگزیر ہے۔ لہذا برطانوی وزیر اعظم لارڈ اٹلی نے 20 جون 1948ء تک ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا۔
قیام پاکستان:

برطانوی حکومت نے مارچ 1947ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بطور وائسرائے ہند بنا کر برصغیر بھیجا۔ برصغیر پہنچ کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہے۔ چنانچہ 3 جون 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کو پاکستان اور بھارت میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح 14 اگست 1947ء کو پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔
قائد اعظم کی وفات:

پاکستان کی آزادی، خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ کو دوام بخشنے کے لیے قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم نے شب و روز کام کیا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آرام نہ کیا جس کے نتیجے میں مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے اور بالآخر 11 ستمبر 1948ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے۔
اس موقع پر وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے رنج و الم کے لہجے میں کہا: ”قائد اعظم ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو دنیا میں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی تمام زندگی میں انہیں ملت اسلامیہ کی بہبود ہی منظور تھی اور وہ اسی کے لیے کوشاں رہے۔“
قائد اعظم کی وفات پر جواہر لال نہرو نے کہا: ”انسان کا قیمتی سے قیمتی سرمایہ یہی ہے کہ وہ اعلیٰ کردار اور عمدہ سیرت کا مالک ہو، مسٹر جناح کی اعلیٰ سیرت و کردار وہ موثر حیرت تھی جس کے ذریعے انہوں نے اپنی زندگی بھر کے معرکے کو سر کیا۔“

تحریک آزادی پاکستان میں دیگر مسلمان رہنماؤں کی خدمات

برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد ایک طویل اور پیچیدہ عمل تھا، جس میں کئی مسلم رہنماؤں نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ ان رہنماؤں نے سیاسی، فکری، صحافتی، اور تنظیمی سطح پر مسلمانوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کی اور تحریک پاکستان کی بنیادیں مضبوط کیں۔ ذیل میں تحریک آزادی کے چند نمایاں مسلم رہنماؤں کی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ سید امیر علی

سید امیر علی ایک عظیم مفکر، مصنف، اور مسلم سیاستدان تھے جنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی فکری رہنمائی کی۔ وہ 1849ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انگلینڈ چلے گئے، جہاں سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔

خدمات:

مسلمانوں کے حقوق کی وکالت: امیر علی نے ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، اور تعلیمی حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ وہ برطانوی حکومت میں مسلمانوں کے لیے زیادہ مواقع کے حامی تھے۔

تصنیفات: انہوں نے دی سپرٹ آف اسلام اور اے شارٹ ہسٹری آف دی سیرجین آف اسلام جیسی مشہور کتابیں لکھیں، جن میں اسلامی تاریخ اور فلسفے کو مغربی دنیا کے سامنے مثبت انداز میں پیش کیا۔

مسلم لیگ کے قیام کی راہ ہموار کی: اگرچہ وہ براہ راست مسلم لیگ میں شامل نہیں تھے، لیکن ان کے نظریات نے مسلم لیگ کی بنیاد مضبوط کرنے میں مدد دی۔

سیاسی شعور بیدار کیا: وہ انگلینڈ میں برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔

2۔ نواب محسن الملک

نواب محسن الملک، جن کا اصل نام سید محبوب علی تھا، سر سید احمد خان کے قریبی ساتھی اور علی گڑھ تحریک کے روح رواں تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور سیاسی شعور اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

خدمات:

علی گڑھ تحریک: نواب محسن الملک علی گڑھ کالج کے سیکرٹری رہے اور مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

اُردو زبان کا دفاع: 1900ء میں برطانوی حکومت نے سرکاری زبان کے طور پر اُردو کی جگہ ہندی کو فروغ دینا شروع کیا، جس پر محسن الملک نے سخت احتجاج کیا اور اُردو کی بقا کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔

مسلم لیگ کی بنیاد: 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو اجاگر کیا۔

مسلمانوں کے تعلیمی حقوق کی حفاظت: وہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو ترقی دینے کے زبردست حامی تھے اور علی گڑھ یونیورسٹی کے فروغ کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔

3۔ نواب وقار الملک

نواب وقار الملک، جن کا اصل نام مشتاق حسین تھا، تحریک پاکستان کے ایک اہم رہنما تھے۔ وہ مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور سماجی ترقی کے زبردست داعی تھے۔

خدمات:

1906ء میں مسلم لیگ کا قیام: نواب وقار الملک نے ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کو منظم کیا۔
 علی گڑھ تحریک: انہوں نے سرسید احمد خان کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا اور علی گڑھ کالج کے فروغ کے لیے کام کیا۔
 مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا دفاع: وہ مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کے زبردست حامی تھے اور انگریزوں کو مسلمانوں کے مسائل کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہے۔
 اُردو زبان کا تحفظ: انہوں نے اردو کے تحفظ کے لیے بھرپور کوششیں کیں اور اسے برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیبی علامت قرار دیا۔

4۔ مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر تحریک آزادی کے ایک عظیم رہنما، صحافی، اور خطیب تھے۔ وہ تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون اور مسلم لیگ کے سرگرم رہنما تھے۔

خدمات:

تحریک خلافت: انہوں نے ترک خلافت کی حمایت میں تحریک چلائی اور برطانوی استعمار کے خلاف مسلمانوں کو منظم کیا۔
 تحریک عدم تعاون: مہاتما گاندھی کے ساتھ مل کر برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لیا، لیکن بعد میں کانگریس سے اختلافات کی بنا پر علیحدہ ہو گئے۔
 صحافتی خدمات: انہوں نے ہمدرد اور کامریڈ جیسے اخبارات کے ذریعے مسلمانوں کے مسائل کو اجاگر کیا۔
 آزادی کے لیے جدوجہد: 1930ء میں گول میز کانفرنس میں انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا: ”میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں جاؤں گا“۔ اور پھر وہ لندن میں ہی وفات پا گئے۔

5۔ مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان تحریک پاکستان کے ایک بلند پایہ صحافی، شاعر اور سیاستدان تھے، جنہوں نے قلم کے ذریعے مسلمانوں کی جدوجہد کو تقویت بخشی۔

خدمات:

اخبار زمیندار: انہوں نے اپنے اخبار زمیندار کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق کے لیے زبردست آواز اٹھائی۔
دوقومی نظریہ کی وکالت: وہ ایک علیحدہ مسلم ریاست کے زبردست حامی تھے اور مسلم لیگ کے لیے کام کرتے رہے۔
برطانوی حکومت کی مخالفت: وہ انگریزوں کی پالیسیوں پر سخت تنقید کرتے تھے اور مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے رہے۔
شاعری کے ذریعے تحریک: ان کی شاعری نے تحریک آزادی کے کارکنوں میں جوش و ولولہ پیدا کیا۔

6۔ لیاقت علی خان

لیاقت علی خان تحریک پاکستان کے سب سے اہم رہنماؤں میں شامل تھے، جنہوں نے قائد اعظم کے شانہ بشانہ قیام پاکستان کے لیے کام کیا۔

خدمات:

مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری: انہوں نے مسلم لیگ کو ایک منظم جماعت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔
قرارداد دلا ہور 1940: لیاقت علی خان قرارداد پاکستان کی تیاری میں شامل تھے اور انہوں نے اس کی حمایت میں بھرپور کردار ادا کیا۔
آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاسوں کی قیادت: 1946ء میں وہ قائد اعظم کے ساتھ مذاکراتی ٹیم کا حصہ رہے، جس نے قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔
پاکستان کے پہلے وزیر اعظم: آزادی کے بعد انہوں نے ملک کے ابتدائی مسائل کو حل کرنے میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

7۔ چوہدری رحمت علی

چوہدری رحمت علی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے پہلی بار لفظ پاکستان استعمال کیا اور مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کی وکالت کی۔

خدمات:

پاکستان کا تصور: انہوں نے 1933ء میں Now or Never نامی پمفلٹ لکھا، جس میں پہلی بار پاکستان کے قیام کا مطالبہ کیا۔
مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کی وکالت: انہوں نے دوقومی نظریہ کو تقویت بخشی اور برصغیر میں مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔
بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے حق میں آواز بلند کی: وہ برطانیہ میں رہتے ہوئے پاکستان کے لیے سفارتی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

نتیجہ:

یہ تمام رہنما تحریک آزادی پاکستان کے معمار تھے، جنہوں نے اپنے اپنے میدان میں کام کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک علیحدہ ریاست کے قیام کے لیے تیار کیا۔ ان کی قربانیوں اور خدمات کی بدولت پاکستان کا خواب حقیقت میں بدلا۔

تحریک آزادی پاکستان کی نامور خواتین کا کردار

(Renowned Women of the Freedom Movement of Pakistan)

تمہید و تعارف:

تحریک پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی ایک طویل، صبر آزمات اور تاریخی جدوجہد کا نام ہے، جس میں مردوں کے شانہ بشانہ مسلمان خواتین نے بھی بے مثال قربانیاں دیں اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تحریک کو کامیاب بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس دور میں برصغیر کی مسلمان خواتین نہ صرف سیاسی میدان میں سرگرم رہیں بلکہ سماجی، تعلیم اور فلاحی شعبوں میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ بیگم فاطمہ جناح، بیگم رعنا لیاقت علی خان، بی ام اے (عبادی بانو بیگم)، بیگم نصرت عبداللہ ہارون، بیگم شائستہ اکرام اللہ، بیگم جہاں آراء شاہنواز، بیگم وقار النساء، بانو اور بیگم سلمیٰ تصدق حسین جیسی عظیم خواتین نے اپنی بصیرت، جدوجہد اور قیادت سے برصغیر کی مسلمان خواتین میں ایک نئی روح پھونکی اور انہیں عملی جدوجہد کے لیے آمادہ کیا۔ ان خواتین نے مسلم لیگ کے جلسوں میں بھرپور شرکت کی، خواتین کو متحرک کیا، مالی امداد فراہم کی، قومی مفاد کے لیے اپنے گھروں اور سکون کو قربان کیا، اور قیام پاکستان کے بعد بھی نوازائیدہ مملکت میں مختلف سماجی و فلاحی منصوبوں کے ذریعے اہم خدمات انجام دیں۔ ان کی بے لوث قربانیاں اور سیاسی و سماجی خدمات کے بغیر تحریک پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا، اور ان کا کردار تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ روشن رہے گا۔

جن نامور خواتین نے تحریک آزادی پاکستان میں اہم کردار ادا کیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ بیگم فاطمہ جناح:

بیگم فاطمہ جناح کو مادر ملت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا ہر سطح پر ساتھ دیا۔ وہ نہ صرف ان کی قریبی مشیر تھیں بلکہ انہوں نے برصغیر کی مسلمان خواتین کو آزادی کی تحریک میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ بیگم فاطمہ جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کی اور خواتین کو متحرک کرنے کے لیے بے شمار اجتماعات منعقد کروائے۔ ان کا ریڈیو پر دیا گیا خطبہ مسلمان خواتین کے لیے حوصلہ اور تحریک کا ذریعہ بنا۔ 1947ء کے بعد وہ پاکستان میں جمہوری اقدار اور قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے سرگرم رہیں۔

2۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان:

بیگم رعنا لیاقت علی خان، قائد اعظم اور لیاقت علی خان کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں سرگرم رہیں۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی متحرک رکن تھیں اور مسلمان خواتین کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے مسلمان خواتین کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنے میں مدد دی اور خواتین کو سیاسی طور پر بیدار کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران انہوں نے خواتین کے لیے متعدد تقاریر کیں اور مالیاتی معاونت کے لیے چندہ مہم بھی چلائی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کی پہلی خاتون سفیر مقرر ہوئیں اور خواتین کی ترقی کے لیے بے شمار منصوبے شروع کیے۔

3۔ بیگم نصرت عبداللہ ہارون:

بیگم نصرت عبداللہ ہارون کا شمار تحریک پاکستان کی اہم ترین خواتین رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے جلسوں میں بھرپور شرکت کی اور خواتین کو تحریک آزادی میں شامل ہونے کے لیے متحرک کیا۔ ان کے گھر کو تحریک پاکستان کے لیے ایک مرکز کی حیثیت حاصل تھی، جہاں قائد اعظم سمیت دیگر رہنماؤں کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ سماجی خدمت کے میدان میں بھی متحرک تھیں اور پاکستان بننے کے بعد مہاجرین کی بحالی کے

لیے دن رات کام کیا۔

4۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ:

بیگم شائستہ اکرام اللہ تحریک پاکستان کی ایک نمایاں خاتون رہنما تھیں جو مسلم خواتین کے حقوق کے لیے سرگرم رہیں۔ وہ آل انڈیا مسلم ویمن لیگ کی رکن تھیں اور مسلم خواتین کی تعلیم کے فروغ کے لیے کام کرتی رہیں۔ 1946ء کے انتخابات میں وہ مرکزی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں اور انہوں نے خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے کئی قراردادیں پیش کیں۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کی سفارتی خدمات سے وابستہ رہیں اور ملک کی بین الاقوامی سطح پر نمائندگی کی۔

5۔ بیگم جہاں آراء شاہنواز:

بیگم جہاں آراء شاہنواز تحریک پاکستان کی ایک سرگرم خاتون رہنما تھیں، جو 1930ء کی دہائی میں ہی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے خواتین کی شمولیت کے لیے کام کر رہی تھیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کے متعدد جلسوں میں شرکت کی اور خواتین کو متحرک کرنے کے لیے تقاریر کیں۔ 1946ء کے انتخابات میں وہ مرکزی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں اور پاکستان کے قیام کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں۔

6۔ بیگم حضرت محل:

اگرچہ بیگم حضرت محل کا تعلق 1857ء کی جنگ آزادی سے تھا، لیکن وہ برصغیر میں خواتین کی آزادی کی جدوجہد کی اولین مثال تھیں۔ انہوں نے برطانوی استعمار کے خلاف مزاحمت کی اور تحریک آزادی کی بنیاد رکھی۔ ان کی بہادری نے بعد میں برصغیر کی مسلم خواتین کے لیے ایک مشعل راہ کا کردار ادا کیا، جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

7۔ بی امال (عبادی بیگم):

بی امال، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی والدہ، تحریک پاکستان میں ایک روحانی قوت کا درجہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے تحریک خلافت اور تحریک آزادی میں خواتین کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی تقاریر نے ہزاروں خواتین کو سیاسی شعور دیا اور برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد پر ابھارا۔ ان کی جدوجہد نے تحریک پاکستان کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

8۔ بیگم سلٹی تصدق حسین:

بیگم سلٹی تصدق حسین تحریک پاکستان کی ایک نامور اور سرگرم کارکن تھیں، جنہوں نے برصغیر کی مسلم خواتین میں سیاسی شعور اجاگر کرنے کے لیے بے پناہ جدوجہد کی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ، بیدار مغز اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار خاتون تھیں، جنہوں نے قائد اعظم محمد علی جناح کے نظریات کی مکمل حمایت کی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے خواتین کو تحریک پاکستان میں شامل ہونے کے لیے متحرک کیا۔ ان کا سب سے نمایاں کارنامہ مسلم خواتین میں آزادی کی جدوجہد کا شعور بیدار کرنا تھا، جس کے لیے انہوں نے مختلف مقامات پر جلسے اور اجلاس منعقد کیے اور خواتین کو عملی جدوجہد میں شامل کیا۔ بیگم سلٹی تصدق حسین نے مسلم لیگ کے لیے چندہ مہم میں بھی بھرپور حصہ لیا اور مالی وسائل اکٹھے کرنے میں اہم کردار ادا کیا، جس سے تحریک کو مزید تقویت ملی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی انہوں نے مہاجرین کی آبادکاری، تعلیم اور خواتین کی فلاح و بہبود کے شعبے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی کوششوں سے کئی تعلیمی اور فلاحی منصوبے وجود میں آئے، جو آج بھی ان کی خدمات کی یاد دلاتے ہیں۔

9۔ بیگم وقار النساء نون

بیگم وقار النساء نون تحریک پاکستان کی ایک اور نمایاں خاتون تھیں، جو پاکستان کے ساتویں وزیر اعظم فیروز خان نون کی اہلیہ ہونے کے باوجود اپنی علیحدہ شناخت رکھتی تھیں۔ برطانوی نژاد ہونے کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کیا اور پاکستان کی آزادی کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے برصغیر کی مسلمان خواتین کو سیاسی، تعلیمی اور سماجی میدان میں بیدار کرنے کے لیے سرگرم رہیں اور تحریک پاکستان کے دوران کئی خواتین اجتماعات سے خطاب کیا۔ بیگم وقار النساء نون نے تحریک پاکستان کے لیے مالی مدد فراہم کرنے میں بھی نمایاں حصہ لیا اور اپنی ذاتی جائیداد کو بھی اس مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے مہاجرین کی فلاح و بہبود، خواتین کی تعلیم اور صحت کے شعبے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی کوششوں سے کئی تعلیمی ادارے اور فلاحی تنظیمیں قائم ہوئیں، جو پاکستان میں خواتین کی ترقی میں معاون ثابت ہوئیں۔ بیگم وقار النساء نون نے اپنے عملی اقدامات اور خدمات کے ذریعے ثابت کیا کہ خواتین تحریک پاکستان میں نہ صرف اہم کردار ادا کر سکتی ہیں بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی ملک کی ترقی میں نمایاں حصہ ڈال سکتی ہیں۔

تحریک آزادی پاکستان میں خواتین کا کردار

(Contribution of Women in the Freedom Movement of Pakistan)

تحریک پاکستان میں خواتین نے ہر سطح پر بھرپور شرکت کی اور اپنی سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی اور عملی خدمات سے آزادی کی جدوجہد کو تقویت دی۔ برصغیر کی مسلم خواتین نے قربانیوں کی لازوال مثالیں قائم کیں اور قیام پاکستان کے لیے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ ذیل میں ان کے کردار کا تفصیلی جائزہ لیا جا رہا ہے:

1۔ سیاسی خدمات:

مسلم خواتین نے تحریک پاکستان میں سیاسی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ مسلم لیگ کے جلسوں میں متحرک رہیں، جلسوں کی صدارت کی اور تحریک آزادی کے لیے خواتین کو بیدار کیا۔ بیگم فاطمہ جناح، بیگم رعنا لیاقت علی خان، بیگم نصرت عبداللہ ہارون اور بیگم شائستہ اکرام اللہ جیسی خواتین نے مسلم لیگ کو فعال کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

2۔ آل انڈیا مسلم ویمن لیگ کا قیام:

تحریک پاکستان میں خواتین کو سیاسی طور پر متحرک کرنے کے لیے 1937 میں آل انڈیا مسلم ویمن لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ اس پلیٹ فارم کے ذریعے خواتین نے تحریک پاکستان کے لیے بھرپور کام کیا اور مسلم لیگ کی حمایت میں عوامی رائے ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

3۔ سماجی خدمات:

خواتین نے تحریک پاکستان کے دوران سماجی میدان میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے مسلم خواتین کو بیدار کیا، ان کے سیاسی شعور میں اضافہ کیا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔ مہاجرین کی آباد کاری اور فلاح و بہبود کے لیے بھی خواتین نے بڑی قربانیاں دیں۔

4۔ تعلیمی خدمات:

مسلمان خواتین نے تحریک پاکستان کے دوران تعلیمی میدان میں بھی بے پناہ خدمات انجام دیں۔ انہوں نے خواتین میں تعلیم کے فروغ کے لیے کام کیا تاکہ وہ تحریک آزادی میں فعال کردار ادا کر سکیں۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان نے تعلیمی ادارے قائم کرنے میں مدد دی، اور بیگم شائستہ اکرام اللہ نے تعلیمی اصلاحات پر زور دیا۔

5۔ مالی معاونت اور چندہ مہم:

مسلم خواتین نے تحریک پاکستان کے لیے مالی طور پر بھی معاونت فراہم کی۔ انہوں نے چندہ مہمات کا انعقاد کیا، گھریلو زیورات تحریک کے لیے وقف کیے اور تحریک کو مالی طور پر مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

6۔ صحافت میں خدمات:

بعض مسلم خواتین نے صحافت کے میدان میں بھی تحریک پاکستان کے لیے قلمی جہاد کیا۔ انہوں نے خواتین کے لیے خصوصی مضامین لکھے، ان کے سیاسی شعور میں اضافہ کیا اور آزادی کے مقصد کو اجاگر کیا۔

7۔ جلوسوں اور احتجاج میں شرکت:

مسلمان خواتین نے آزادی کے لیے نکالی جانے والی ریلیوں اور جلسوں میں بھرپور شرکت کی۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف احتجاج کیا اور مسلم لیگ کے حق میں اپنی آواز بلند کی۔

8۔ خواتین کی تنظیم سازی:

تحریک پاکستان کے دوران مسلم خواتین نے مختلف تنظیموں کے ذریعے خواتین کو متحرک کیا۔ بیگم جہاں آراء شاہنواز اور بیگم رعنا لیاقت علی خان نے خواتین کو منظم کرنے کے لیے کئی تنظیمیں قائم کیں تاکہ وہ تحریک میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

9۔ مسلم شخص کی حفاظت:

خواتین نے تحریک پاکستان میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو اجاگر کرنے کے لیے بھرپور کام کیا۔ انہوں نے ہندو ثقافت کے اثرات سے بچنے اور اسلامی اقدار کی ترویج کے لیے کوششیں کیں۔

10۔ نظریہ پاکستان کی ترویج:

مسلم خواتین نے نظریہ پاکستان کی وضاحت اور ترویج کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ انہوں نے عام عوام میں یہ شعور اجاگر کیا کہ ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا قیام ہی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بہتر مستقبل کی ضمانت ہے۔

11۔ تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں خواتین کی شمولیت:

تحریک پاکستان میں خواتین کی شرکت کی بنیاد تحریک خلافت میں رکھی گئی تھی، جہاں بی اماں اور دیگر خواتین نے آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ اس کے اثرات تحریک پاکستان میں بھی دیکھے گئے، جہاں خواتین نے عملی طور پر شمولیت اختیار کی۔

12۔ قیام پاکستان کے بعد خواتین کی خدمات:

پاکستان کے قیام کے بعد بھی ان خواتین نے ملک کی ترقی اور استحکام کے لیے کام جاری رکھا۔ مہاجرین کی آباد کاری، خواتین کی تعلیم اور قومی اداروں میں خواتین کی شمولیت کو ممکن بنانے کے لیے انہوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

نتیجہ:

تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار مثالی اور تاریخ ساز رہا۔ انہوں نے ہر میدان میں اپنی خدمات انجام دیں اور اپنی جدوجہد سے قیام پاکستان کے خواب کو حقیقت میں بدلا۔ ان کی قربانیوں کی بدولت آج پاکستان ایک آزاد ریاست کے طور پر قائم ہے۔

تحریک آزادی پاکستان کے نامور طلباء رہنما

(Renowned Students Leaders of the Freedom Movement of Pakistan)

تحریک آزادی پاکستان میں طلبہ نے نہایت اہم اور فعال کردار ادا کیا، جس کی قیادت چند نامور طلبہ رہنماؤں نے کی۔ یہ رہنما برصغیر کے مختلف تعلیمی اداروں سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے تحریک پاکستان کو منظم اور مضبوط کیا۔ درج ذیل چند نمایاں طلبہ رہنماؤں کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

1۔ چوہدری رحمت علی:

چوہدری رحمت علی تحریک پاکستان کے ایک ممتاز طلبہ رہنما تھے، جنہوں نے 1933ء میں پاکستان کا نام متعارف کرایا۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی کے طالب علم تھے اور انہوں نے اپنی مشہور تحریر Now or Never میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا تصور پیش کیا، جو بعد میں تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔

2۔ بہادر یار جنگ:

بہادر یار جنگ ایک نمایاں مسلم رہنما اور حیدرآباد دکن کے مشہور طلبہ رہنما تھے۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی اور نوجوانوں کو تحریک پاکستان میں متحرک کیا۔ ان کی شعلہ بیانی اور سیاسی بصیرت نے مسلم طلبہ میں آزادی کا جوش و جذبہ پیدا کیا۔

3۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان:

اگرچہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان قیام پاکستان کے بعد زیادہ نمایاں ہوئے، لیکن ان کا ابتدائی طلبہ دور بھی پاکستان کے حق میں تحریکی جدوجہد سے جڑا ہوا تھا۔ انہوں نے نوجوانوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کی ضرورت پر زور دیا اور بعد میں پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

4۔ سید نذیر حسین:

سید نذیر حسین ایک سرگرم طلبہ رہنما تھے، جو آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اہم کارکنوں میں شامل تھے۔ انہوں نے مسلم طلبہ کو سیاسی طور پر بیدار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور مختلف تعلیمی اداروں میں تحریک آزادی کے لیے جلسے، جلوس اور مظاہروں کا انعقاد کیا۔

5۔ مولانا محمد علی جوہر:

مولانا محمد علی جوہر نہ صرف ایک عظیم صحافی اور سیاستدان تھے بلکہ اپنے طالب علمی کے دور میں بھی وہ آزادی کی جدوجہد میں سرگرم رہے۔ انہوں نے طلبہ کو بیدار کرنے اور مسلمانوں کو متحد کرنے میں بے مثال کردار ادا کیا۔ ان کے اخبارات ہمدرد اور کامریڈ نے طلبہ میں آزادی کی آگ بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا۔

6۔ حکیم اجمل خان:

حکیم اجمل خان ایک ممتاز قومی رہنما، طبیب اور ماہر تعلیم تھے، جنہوں نے تحریک آزادی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ دہلی کے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیوں میں شامل تھے اور مسلم طلبہ میں تعلیم اور آزادی کی جدوجہد کا شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے قومی تعلیمی ادارے قائم کرنے پر زور دیا اور تحریک خلافت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا، جس سے طلبہ میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔

7۔ سردار عبدالرب نشتر

سردار عبدالرب نشتر ایک معروف مسلم لیگی رہنما اور قائد اعظم کے قریبی ساتھی تھے۔ اپنے طالب علمی کے دور میں وہ آزادی کے حق میں مظاہروں اور مسلم طلبہ کی قیادت میں سرگرم رہے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے فعال کارکن تھے اور مسلم طلبہ کو متحرک کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی انہوں نے نئی ریاست کی تعمیر میں اہم خدمات انجام دیں۔ یہ تمام طلبہ رہنما اپنے وقت کے ذہین اور باصلاحیت نوجوان تھے، جنہوں نے تحریک آزادی کے دوران اپنی قیادت، جدوجہد اور قربانیوں سے پاکستان کے قیام کو ممکن بنایا۔

تحریک آزادی پاکستان میں طلباء کی خدمات

(Contribution of Students in the Freedom Movement of Pakistan)

تحریک آزادی پاکستان میں طلبہ نے ایک متحرک اور انقلابی کردار ادا کیا، جو برصغیر کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں ایک سنگ میل ثابت ہوا۔ طلبہ نے جلسے، جلوس، احتجاج اور ہڑتالوں کے ذریعے نہ صرف برطانوی سامراج کے خلاف آواز بلند کی بلکہ مسلم لیگ کے قیام پاکستان کے مطالبے کو بھی بھرپور حمایت دی۔ طلبہ تنظیموں جیسے آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن (AIMSF) نے قائد اعظم محمد علی جناح کے پیغام کو عام کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اور تعلیمی اداروں کو تحریک آزادی کے مراکز میں تبدیل کر دیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ کالج لاہور، ڈی جے سندھ کالج کراچی اور دیگر اداروں کے طلبہ نے آزادی کے حق میں بے شمار قربانیاں دیں اور ہر موقع پر قیادت کا ثبوت دیا۔ اس تحریک میں چوہدری رحمت علی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، سید نذیر حسین، بہادر یار جنگ، اور مولانا محمد علی جوہر جیسے طلبہ رہنماؤں نے اپنی بے مثال قیادت سے نوجوانوں کو ایک متحد قوت میں ڈھالا۔ طلبہ نے اپنی تقاریر، تحریروں اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریک پاکستان کو جلا بخشی اور قیام پاکستان کی راہ ہموار کی، جس کی بدولت برصغیر کے مسلمان ایک علیحدہ آزاد ریاست کے قیام میں کامیاب ہوئے۔

ذیل میں تحریک آزادی پاکستان میں طلبہ کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

1. تعلیمی اداروں میں بیداری کی لہر:

طلبہ نے برصغیر کے مختلف تعلیمی اداروں میں تحریک آزادی کے نظریات کو عام کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ کالج لاہور، اور دیگر ادارے اس تحریک کے گڑھ بنے۔ طلبہ نے اپنے تعلیمی اداروں میں جلسے منعقد کیے، احتجاجی مظاہرے کیے اور آزادی کے لیے جدوجہد کو تیز کر دیا۔ ان کی انقلابی تقاریر اور تحریروں کو لوگوں کو بیدار کرنے میں مددگار ثابت ہوئیں۔

2. قائد اعظم کا طلبہ پر اعتماد:

قائد اعظم محمد علی جناح نے ہمیشہ طلبہ کو تحریک پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا۔ وہ اکثر اپنی تقاریر میں طلبہ کو محنت، دیانت داری اور اتحاد کا درس دیتے تھے۔ 1940ء کی قرارداد لاہور کے موقع پر بھی طلبہ نے بھرپور شرکت کی اور قائد اعظم کے پیغام کو گھر گھر پہنچایا۔

3. تحریک میں طلبہ کے احتجاجی مظاہرے:

طلبہ نے برطانوی حکومت اور کانگریسی ہندوؤں کے خلاف احتجاجی مظاہروں میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے تعلیمی اداروں میں ہڑتالیں کیں، جلوس نکالے اور آزادی کے حق میں نعرے بلند کیے۔ 1946ء میں طلبہ نے فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف بھی آواز بلند کی اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے۔

4. مسلم طلبہ کی تنظیمیں اور ان کا کردار:

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن جیسی تنظیموں نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان تنظیموں نے قائد اعظم کے پیغام کو نوجوان نسل تک پہنچایا اور انہیں تحریک میں سرگرم کردار ادا کرنے کی ترغیب دی۔ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے طلبہ کو متحد کر کے تحریک کو عملی تقویت دی۔

5. قرارداد پاکستان میں طلبہ کی شرکت:

23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے موقع پر ہزاروں طلبہ نے لاہور میں بھرپور شرکت کی۔ انہوں نے جلسہ گاہ میں نعرے بلند کیے اور قیام پاکستان کے عزم کا اعادہ کیا۔ یہ طلبہ ہی تھے جنہوں نے قرارداد کے پیغام کو پورے ہندوستان میں پھیلایا۔

6. اخبارات اور رسائل میں طلبہ کا کردار:

مسلم طلبہ نے اخبارات اور رسائل کے ذریعے تحریک پاکستان کی حمایت کی۔ وہ مضامین لکھ کر لوگوں کو بیدار کرتے، آزادی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے اور مسلمانوں کو متحد ہونے کی تلقین کرتے۔ ان کے یہ مضامین عوام میں شعور اجاگر کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوئے۔

7. مسلم لیگ کی مہمات میں طلبہ کی شمولیت:

مسلم لیگ کے جلسے، جلوس اور مہمات میں طلبہ نے بھرپور حصہ لیا۔ وہ گھر گھر جا کر مسلم لیگ کے منشور کو پھیلانے میں مصروف رہے۔ 1945-46ء کے انتخابات میں طلبہ نے مسلم لیگ کے امیدواروں کی کامیابی کے لیے انتھک محنت کی اور عام مسلمانوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالنے کی ترغیب دی۔

8_1946ء کے انتخابات میں طلبہ کا کردار:

1946ء کے انتخابات میں طلبہ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت میں نہ صرف جلسے جلوس منعقد کیے بلکہ ووٹروں کو بھی منظم کیا۔ ان کی انتھک محنت کے نتیجے میں مسلم لیگ نے تاریخی فتح حاصل کی جو قیام پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔

9۔ سول نافرمانی کی تحریک میں طلبہ کی شمولیت:

برطانوی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں بھی طلبہ نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کیا، سڑکوں پر احتجاجی جلوس نکالے اور انگریزی حکومت کے خلاف نعرے بلند کیے۔ اس جدوجہد نے تحریک پاکستان کو مزید مضبوط کیا۔

10۔ طلبہ کے فنڈز اور مالی امداد:

طلبہ نے تحریک پاکستان کے لیے مالی امداد بھی جمع کی۔ انہوں نے چندہ مہمات چلائیں اور مسلم لیگ کے لیے فنڈز اکٹھے کیے تاکہ تحریک کے مقاصد کو آگے بڑھایا جاسکے۔ ان کے دیے گئے چندے سے تحریک کو مالی تقویت ملی اور جلسے، جلوس اور دیگر سرگرمیوں کے انتظامات بہتر کیے جاسکے۔

11۔ ہجرت کے وقت طلبہ کی خدمات:

قیام پاکستان کے وقت جب لاکھوں مہاجرین نے ہندوستان سے ہجرت کی، تو طلبہ نے ان کی مدد کے لیے بے پناہ خدمات انجام دیں۔ انہوں نے مہاجرین کے کیمپوں میں کھانے، علاج اور دیگر سہولیات فراہم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی اس بے لوث خدمت کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

حاصل کلام:

تحریک پاکستان میں طلبہ کا کردار انتہائی اہم اور فیصلہ کن رہا۔ انہوں نے تعلیمی اداروں میں بیداری کی لہر پیدا کی، مسلم لیگ کے پیغام کو عام کیا، احتجاجی مظاہروں میں حصہ لیا اور قیام پاکستان کے لیے اپنی جانیں بھی قربان کیں۔ ان کی قربانیاں ہمیشہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔

